رجسٹرڈ ایل ۳۰۲

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت جولائی سنہ ۱۹۰۲ء نمبر ۷

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان دارالامان نے
انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر ۲- جولائی سنہ ۱۹۰۳ء کو شائع کیا

عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

پادری مانرو رانا گھاٹ میڈیکل مشن کے پادری نے اخبار ”ایپی فینی“ کے ایڈیٹر کی مہربانی سے ایک رسالہ عصمت انبیا پر نکالا ہے جو کہ اس کے ایک پہلے شایع شدہ رسالے کا دوسرا حصہ ہے جو اسی مضمون پر مشتمل تھا۔ ہم خود بھی منتظر تھے کہ پادری صاحب کے قلم سے عصمت انبیا کا دوسرا حصہ نکلنا چاہیئے لیکن ہمیں بڑی امید تھی کہ اس دفعہ پادری صاحب اس انسان کی عصمت کے مسئلہ کیطرف توجہ کرینگے جسکو وہ خوش اعتقادی سے خدا سمجھے بیٹھے ہیں اس مضمون پر پادری صاحب کی مضمون نگاری کے دیکھنے کا ہمیں شوق تھا لیکن اسمیں ہمیں مایوس ہی ہونا پڑا ہے لیکن چونکہ پادری مانرو صاحب ہندوستان میں یسوع کی انجیل کے واعظ بنکر آئے ہوئے ہیں اس لئے امید ہے کہ وہ بہت جلد ایک تیسرا حصہ شائع کر کے یہ ثابت کرینگے کہ جو اقوال و افعال یسوع کے انجیل میں لکھے گئے ہیں ان سے اس کی معصومیت ثابت ہوتی ہے۔

عصمت انبیا کا مسئلہ مسلمانوں میں عام طور پر مانا جاتا ہے جن لوگوں نے عصمت میں طعن کیا ہے انکی ذاتی رائیں ساری مسلمان دنیا کے مضبوط اعتقاد کے خلاف کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام میں ان لوگوں کے ذریعہ سے آئے ہیں۔ جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام

مین داخل ہوے تھے اور اس لیے بعض مسائل مین اپنے پہلے خیالات پر ہی جمے رہے۔ لیکن پادری صاحبان کی یہ کسقدر بڑی بے ایمانی ہے کہ وہ پبلک کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہین کہ قرآن شریف اور اسکی تمام معتبر تفسیرین عصمت انبیا کا انکار کرتی ہین حالانکہ اصل بات یہ ہی کہ وہ قصے جنکو پادری مانرو انبیا کے گنہگار ہونے کا قطعی ثبوت خیال کرتا ہے اور جنکا قرآن کریم مین کوئی ذکر نہیں ہی انکو بڑے معتبر اور محقق مفسرین نے جھوٹے اور وضعی ٹھیرا کر رد کیا ہے۔ جو جو الزامات اس راتا گھاٹ کے پادری نے انبیا علیہم السلام پر لگائے ہین اور جنکی بنا وہ قرآن شریف کو ٹھیراتا ہے قرآن کریم کے الفاظ اُن کے ایک شوشہ کی بھی تائید نہین کرتے۔ اس سی بڑھ کر کونسی بے ایمانی ہوسکتی ہی کہ عوام کو یہ دھوکا دیا جائے کہ فاضل اور محقق مفسرین کی رائے ایسی اور ایسی ہے حالانکہ اس رائے کو محقق مفسرین رد کر چکے ہین علاوہ ازین کسی مفسر کی رائے ہر ایک حالت مین قابل تسلیم نہین ہوسکتی مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیرین خدا کا کلام نہین ہین جنکی ہر ایک لفظ کا وہ اپنے آپ کو پابند خیال کرتے ہوں ہاں اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اس کو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائے گا۔ لیکن جن قصوں کی بنا پر عصمت انبیا مین طعن کیا جاتا ہے ان مین سی کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف یقینی طور سی منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ مع تمام حرکات و سکنات و وقفوں کے آج اسی طرح محفوظ ہمارے پاس موجود ہین جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے وہ نکلے تھے اور اکثر حالتوں مین آسانی سی سمجھ مین آسکتا ہے کہ کسی فقرہ پر بلحاظ سیاق وسباق کے کونسے معنے چسپان ہین اور کونسی وہ معنی ہین جو قرآن شریف کے عام مفہوم کیمطابق ہین قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہین۔ اس لئے جو جو سوالات پادری مانرو نے پیش کئے ہین ان کا جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے اور معنی کرنے مین انھین معنوں کو صحیح سمجھینگے۔ جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہوں اور جن کا موید خود قرآن شریف ہو۔ اگر کبھی کہین کہین کسی تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ مین ہوگا لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔ اگر پادری صاحبان کا یہ منشا ہی کہ مباحثہ کو نیک نیتی اور ایمانداری سی جاری رکھیں تو ان کا فرض ہی کہ وہ بھی قرآن شریف کے الفاظ کی بنیاد پر ہمارے بیانات کی تردید کرین اور بجائے اسکے کہ معتبر اور محقق مفسرین کی رائے کا اخفا کر کے جھوٹے قصوں کو تمام

مسلمان مفسرین کیطرف منسوب کریں صاف لفظوں میں اس بات کا اقرار کریں کہ معتبر اور محقق مفسرین جیسے مثلاً امام رازی صاحب تفسیر کبیر ان جھوٹے قصوں کو مردود ٹھیراتے ہیں جو پادری اپنے الزامات کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اگر ضروری ہوا تو ہم آیندہ یہ بھی ثابت کر کے دکھا سکینگے کہ اگر ان مردود قصوں کو جنھیں پادری صاحبوں نے انبیا علیہم السلام پر الزام لگاتے وقت پیش کیا ہے تمام محقق مسلمان مفسرین نے سیاہ جھوٹ ٹھیرایا ہے۔

اس وقت ہم سب سے پہلے ان افعال کی حقیقت پر بحث کرتے ہیں جنکو انبیا کیطرف گناہ ٹھیرا کر منسوب کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر غور کرینگے جیسے الفاظ ذنب وغیرہ کے معنے استغفار کے متعلق ہم مفصل بحث اس رسالے کے فروری کے نمبر میں چھاپ چکے ہیں اور اس لئے بجائے اس کا اعادہ کرنے کے ناظرین کو اسی کا حوالہ دیتے ہیں۔

جیساکہ اس سے پہلے مفصل بیان کیا جاچکا ہے **گناہ** کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائے گا جب کہ ایک انسان اس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لائق ٹھیر گیا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم ان افعال پر بحث کریں جنکو انبیا کے گناہ کہا جاتا ہے اس امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کیلئے بری ٹھیرایا ہے چنانچہ قرآن شریف سورہ انبیا میں صاف الفاظ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء۔ رکوع ۷) ترجمہ جنکے لئے ہم نے پہلے سے ہی نیک بدلا مقرر کر رکھا ہے وہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے اس کی آہٹ تک بھی نہیں سنیں گے اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو ان کے دل چاہتے تھے۔ اس بڑی گھبراہٹ کیوقت ان کو کوئی غم نہ ہوگا اور فرشتے آگے سے انکی ملاقات کریں گے آج وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا + مگر افسوس ہے کہ پادریوں کا منشا حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ وہ صرف اعتراض ہی تلاش کرتے ہیں اور اس لئے قرآن کریم کے ایک

حصہ کو دوسرے سے ملاکر نہیں پڑھتے بلکہ ایک ایک لفظ کو الگ کرکے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں خواہ کوئی دلیل ہاتھ میں ہو یا نہ ہو اور اسی کو اپنا اہم فرض اور اپنے خداوند کی عمدہ خدمت سمجھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بہتان باندھیں اور ان کو گالیاں دیں اور اُن پر طعن کریں۔

حضرت آدم کا ممنوع پھل کو کھانا

سورۂ طٰہٰ میں حضرت آدم کے قصے کے ابتدا میں ایک ہی آیت اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ کس طرح پر حضرت آدم اس عصیان کے مرتکب ہوئے۔ وہ آیت یہ ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ترجمہ اس سے پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا۔ اس سے حضرت آدم کی صاف صاف بریت ہوتی ہے کہ اُنھوں نے عمداً حکم الٰہی کو نہیں توڑا۔ یہ آیت صرف یہی بیان نہیں کرتی کہ حضرت آدم بھول گئے بلکہ اُن کے ارادہ کی بھی صاف نفی کرتی ہے اور یوں دوہرے طور پر اُن کو اس جھوٹے الزام سے بری ٹھہراتی ہے۔ چونکہ ارادہ گناہ کے لئے ضروری ہے جیساکہ ابھی گناہ کی تعریف میں ہم نے دکھایا ہے۔ اس لئے آدم کا ممنوع پھل کو کھانا گناہ نہیں تھا۔ اس آیۃ کے بعد ہی حضرت آدم کا مشہور قصہ شروع ہو جاتا ہے کہ کیونکر شیطان نے اُنھیں دھوکا دیا اور کیونکر اُنھوں نے ممنوع پھل کو کھایا۔ اس لیئے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں کہ یہ بھول جانا اور بغیر ارادہ کے کام کرنا صرف اسی حکم کے متعلق ہیں نہ کہ کسی اور کے اس میں شک نہیں کہ آدم حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا مگر اس کا ارادہ نہ تھا کہ خلاف ورزی کرے بلکہ بھول کر ایک ایسا فعل اس سے ہو گیا جس کا نتیجہ ایک حکم الٰہی کی خلاف ورزی تھا۔ اس لئے خواہ ہم نتیجہ کو عصیان ہی کہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ آدم اس میں بے قصور تھا اور آدم کا گناہ اس کو نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں ارادہ کی جزو جو گناہ کے لئے نہایت ضروری ہے بالکل مفقود ہے اور خود خداتعالےٰ اس معاملہ میں آدم کے گناہ کی نفی کرتا ہے۔ بھول جانا ایک فطرتی انسانی کمزوری ہے اسی لئے جبھی کہ پھل کھا چکنے کے بعد آدم کو معلوم ہوا کہ اس سے بے ارادہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی

ہوگئی اور ضعف بشریت غالب آگیا تو اس نے خدا تعالےٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو ہی ہمارا حافظ نہ ہو اور تو ہی اپنی طاقت کے ساتھ ہمیں سہارا نہ دے اور ہماری انسانی کمزوری کو دبائے نہ رکھے تو ہم گھاٹا پانے والے ہونگے۔ استغفار کے مضمون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے اور اس لئے ہم اسکا اعادہ اس جگہ پسند نہیں کرتے آیت عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی میں عصیان یا خلاف ورزی حکم الٰہی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکم الٰہی کے بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ اور اس لئے ایسا عصیان گناہ نہیں کہلا سکتا۔ اور غَوٰی کے معنے لسان العرب نے صاف طور پر بیان کئے ہیں کہ فَسَدَ عَلَیْہِ عَیْشُہٗ یعنی اُس کے آرام میں خلل آگیا۔ پس ان دونوں لفظوں سے بھی آدم کے گنہگار ہونیکا نتیجہ نہیں نکلتا

حضرت آدم پر شرک کا الزام

مانرو صاحب۔ حضرت آدم پر شرک کا الزام لگاتے ہیں ایسی جرأت کے ساتھ جو پادریوں کے ہی موزون حال ہے۔ وہ لکھتا ہے "سورۃ الاعراف آیت ۱۹۰ میں صریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے قبیح گناہ کا مرتکب ہوا۔" ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ان پادریوں میں کوئی ایمان داری باقی بھی رہ گئی ہے۔ کیا پادری صاحب بتا سکتے ہیں کہ اس آیت میں جس سے وہ شرک کا الزام حضرت آدم پر لگاتے ہیں حضرت آدم کا نام بھی آیا ہے۔ اور اگر وہاں آدم کا نام ہی نہیں تو کیا یہ ایمانداری تھی کہ وہ شرک جیسا قبیح الزام انبیا کیطرف منسوب کرتا حالانکہ اس کو یہ بھی علم ہے کہ قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا تعالےٰ نے شرک کی ہی بیخکنی کے لئے بھیجا تھا۔ کیا شرک کے متعلق اس نے قرآن شریف میں یہ سخت وعید نہیں پڑھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ترجمہ۔ خدا اس بات کو معاف نہیں کرتا ہے کہ اس سے شرک کیا جاوے اور اس کے سوا جو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ بہت امور ایسے تھے جن پر غور کرکے وہ اس الزام کی بیہودگی کو

خود ہی سمجھ سکتا تھا اگر اس کا ارادہ نیک نیتی سے حل اعتراض کا ہوتا۔

قبل اس کے جو ہم اس آیت کے الفاظ پر بحث کریں جسکی بنا پر الزام لگایا گیا ہے پہلے ہم سورۂ اعراف کے مضامین اور ان کی ترتیب کو دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی وحی کا ذکر شروع کر کے سب سے پہلے حضرت آدم کا ہی قصہ بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی پیدائش۔ فرشتوں کو حکم کہ اُسے سجدہ کریں۔ درخت کے قریب جانے سے منع کرنا۔ ابلیس کا آدم اور حوا کو دہوکا دینا اور ان کا ہبوط۔ اس کے بعد عام طور پر نیکوں اور بدوں کے اعمال اور ان کی جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے انبیا کے قصص بیان کئے گئے ہیں جن کے دشمنوں کو اس واسطے ہلاک کیا گیا کہ جب پیغمبر نے اُن کو توحید اور عبادت الٰہی کی طرف بلایا تو اُنھوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ ہر ایک نبی کے متعلق اس کا یہ خطاب اپنی قوم کو بیان کیا گیا ہے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ ترجمہ اے میری قوم خدا کی عبادت کرو جس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں۔ اس طرح پر گویا یہ ساری کی ساری سورۃ شرک کی بیخکنی پر ہی زور دے رہی ہے اور اس کی ساری تعلیم شرک کے ہی خلاف ہے پہلے نوح کا ذکر ہے پھر ہود کا پھر صالح کا پھر لوط کا پھر شعیب کا اور بالآخر حضرت موسےٰ کا قصہ۔ اُن کا فرعون کو حق کی طرف بلانا اور پھر اسرائیلیوں کو تعلیم دینا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کبھی اُن کو یہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ انسانی فطرت پر نقش توحید الٰہی کا ہے۔ نہ کہ شرک کا۔ کبھی اُن کو دھمکایا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ آئینگے اور خدا کے نشانوں کا انکار ہی کرتے جائیں گے تو اُن پر سخت عذاب الٰہی اور ہلاکت نازل ہوں گے تب وہ پوچھتے ہیں۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ یہ عذاب کی گھڑی جسکا وعید ہم کو سنایا جاتا ہے کب آئے گی تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ یقیناً تم پر آئے گی مگر لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً جب آئیگی تو ناگہان ہی آئے گی اور میں تمہیں قبل از وقت اطلاع دیتا ہوں اور اس آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں

اِس کے بعد یوں خطاب آلہی اُن کو ہوتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا ج فَلَمَّا تَغَشّٰھَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِہٖ ج فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰہَ رَبَّھُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ہ فَلَمَّآ اٰتٰھُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰھُمَا فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ہ ترجمہ وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا (یاد رکھنا چاہیے کہ اُنھیں لوگوں کو یہ خطاب ہے جنکو پہلے خطاب تہا اور اس مین کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اور تم سے مراد وہی مشرکین عرب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہین) اور اس سے اس کے جوڑہ کو پیدا کیا - تاکہ وہ اس کے ساتھ آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا پس اس سے چلتی رہی - پھر جب وہ بوجہل ہوئی تو دونون نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمین صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہون - لیکن جب خدا نے ان کو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھیرانے لگے اس مین جو خدا نے ان دونوں کو دیا تھا بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) اس کے ساتھ شریک ٹھیراتے ہین * آیت کے آخری الفاظ صاف بتا رہے ہین کہ ان آیات مین آدم اور حوا کا ذکر نہین ہے کیونکہ اگر یہ انھیں کے شرک کا ذکر ہوتا تو اخیری الفاظ یوں ہونے چاہییے تھے کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس سے شریک ٹھیرائے - لیکن کلام آلہی مین اس موقعہ پر نہ تو صیغہ تثنیہ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی ماضی کا - اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہین نہ کسی دو ایسے اشخاص کا جنکے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا جس کی وجہ سے جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑتی۔

مختلف باتوں پر غور کرکے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اس جگہ ذکر نہین ہے - **اوّل** حضرت آدم کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ اسی سورۃ کے شروع مین بیان ہوچکا ہے اور اس لئے اگر یہ واقعہ ادس کے متعلق ہوتا تو ابتدائے صورت مین ہی آدم کے قصہ کے ساتھ اس کا ذکر ہونا چاہیے تھا - **دوم** سورت کے مضامین کی ترتیب صاف

اس بات پر شاہد ہے کہ اس سورۃ مین انبیاء علیہم السلام کا ذکر بالترتیب ہے اور آدم سے شروع کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا گیا ہے اور اس لئے آیت مذکورہ بالا مین خطاب بھی آنحضرتؐ کے دشمنوں کو ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں مین بھی ذکر انھین مشرکین کا ہے۔ سوم آدم کا نام ان آیات مین ہرگز مذکور نہین اور مضامین کی ترتیب ہمین یہ اجازت نہین دیتی کہ اس قصہ کو آدم کا قصہ ہی سمجھ لین چہارم حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانے سے قصہ بار بار قرآن شریف مین بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مین خود ہی خدا تعالےٰ نے یہ کہکر آدم کی بریت بھی کردی تھی کہ وہ بھول گیا تھا اور عمداً اس نے حکم کی خلاف ورزی نہین کی۔ پس اگر آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا ہوتا تو زیادہ نہین تو کم از کم اتنی دفعہ ہی یہ قصہ قرآن شریف مین بیان کیا جاتا جتنی دفعہ کہ دانہ کھانے کے قصہ کا ذکر ہے جو کوئی گناہ بھی نہین تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا گناہ ہو اور ایک دفعہ بھی اس کا ذکر قرآن شریف مین نہ ہو اور آیت زیر بحث جس کو اس واقعہ کا مصداق بنایا جاتا ہے اس مین آدم کا نام تک بھی نہ ہو۔ ایک چھوٹی سی لغزش کو جو نسیان کی وجہ سے ہوگئی اتنی وقعت دی جائے کہ بار بار اس کا ذکر قرآن شریف مین کیا جاوے اور اتنے بڑے جرم کو جیسا کہ شرک ہے ایک دفعہ بھی نام لیکر بیان نہ کیا جاوے یہ بات ہماری سمجھ مین تو نہین آتی۔ پنجم دانہ کھانے کی کمزوری کے بعد حضرت آدم خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور بار بار یہ کہتے ہین کہ اے خدا اگر تیری مدد میرے شامل حال نہ ہوگی تو مین زیاں کاروں مین ہوں گا لیکن اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد جس سے زیادہ خدا تعالےٰ کو ناراض کرنے والی کوئی چیز ہی نہین وہ ایک لفظ بھی منہ پر نہ لایا لیکن یہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ کیا انکی فطرت ایسی جلدی اس قدر بدل گئی تھی کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہا۔ اور وہ ایک سخت دل گنہگار کی طرح ہو گئے نعوذ باللہ من ذالک۔ ششم ممنوع پھل کھانے کے بعد حضرت آدم نے الفور خدا کی حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور خدا تعالےٰ کی طرف سے حفاظت اور مدد کا وعدہ بھی اُن کو

دیا جاتا ہے تا آیندہ ایسی کمزوری ان سے ظاہر نہو جس پر انسان خود بخود قادر نہین ہو سکتا۔ پھر یہ کسطرح ممکن ہے کہ خدا کی حفاظت اور مدد حسب وعدہ الہی حضرۃ آدم کے شامل حال ہو کر وہ ایسے سیاہ گناہ کا مرتکب ہو سکے کیا خدا کی حفاظت اور مدد اپنے نیک بندون کی اسی طرح دستگیری کیا کرتی ہے ؟ اس قسم کی بیہودگیان خدا کے پاک کلام کیطرف منسوب کرتے پادریون کو شرم کرنی چاہیے۔ **ہفتم** سورہ طٰہٰ مین حضرۃ آدم کے قصہ کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى **ترجمہ** پھر اسکے خداوند نے اسے چن لیا اور برگزیدہ کیا اور اس پر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھی راہ پر چلایا۔ اب یہ آیت صاف طور پر اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اسکے بعد پھر آدم سے کوئی اسی قسم کی کمزوری ظاہر ہو جیسی کہ پہلی ہوئی تھی شرک جیسے بڑے گناہ کا تو کچھ ذکر ہی نہین۔ علاوہ ازین اگر آدم نے شرک کا ارتکاب کیا تو پھر ہمیں نعوذ باللہ یہ ماننا پڑیگا کہ خدا تعالےٰ نے ایسے شخص کو اپنے لئے چن لینے مین سخت غلطی کھائی جسکو بسبب اپنے شرک کے ہمیشہ کے جہنم مین ڈالا جانا تھا کیونکہ اس کی معافی کا بھی ذکر کہین نہین **ہشتم** قرآن کریم نے صاف فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ **ترجمہ** خدا تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخشدیتا ہے۔ اسلئے اگر آدم نے شرک کیا تو اُسے بھی نعوذ باللہ دوزخ مین اسکی سزا بھگتنی ہوگی حالانکہ اس خیال کو قرآن کریم اور مسلمانون کے عقاید سخت مردود اور لعنتی خیال ٹھہراتے ہین **نہم** اس صورت مین ہر ایک نبی کو یہی حکم ہے کہ شرک کی دنیا سے بیخکنی کرے اور یہی اس کی رسالت کی علت غائی ٹھہرائی گئی ہے پھر اگر انبیاء خود ہی شرک مین گرفتار ہو رہے تھے تو اُن کے ذریعہ جو احکام پہنچائے گئے تھے وہ سب بے معنے ہو جاتے ہین **دہم** آیت زیر بحث کی مابعد کی آیتین بھی یہی ثابت کرتی ہین چنانچہ فرماتا ہے اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ **ترجمہ** کیا یہ مشرک لوگ انکو خدا کا شریک ٹھیراتے ہین جو کچھ پیدا نہین کرتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہین اور نہ وہ یہ ہی طاقت رکھتے ہین کہ اپنے پرستارونکو کچھ مدد دیسکیں اور نہ ہی وہ اپنے آپکی مدد کر سکتے ہین۔ کہہ جنکو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو ان سب کو بلاؤ اور میرے ساتھ جنگ کرو اور مجھکو ایک دم کی بھی مہلت نہ دو ٭ یہ آیتیں صاف دکھاتی ہین کہ جن مشرکون کا پہلی آیت میں ذکر ہے وہ بھی عرب کے مشرک ہین اور انھین کو یہ خطاب کیا گیا ہے نہ کہ آدم اور حوا کو کہ اپنے معبودونکو اپنی مدد کے لئے بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرلین۔ یہ آیتیں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا

پہلی آیت مین ذکر ہے وہ یہی مشرک ہین جو آنحضرت کے دشمن ہین نہ کہ آدم و حوا۔

اگر یہ کہا جاوے کہ اس آیت مین دعا جناب الہی سے مانگی گئی ہے اس لئے اس مین بت پرست مخاطب نہین ہو سکتے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح نہین عرب کے بت پرست دوسرے ممالک کے بت پرستوں کیطرح اپنے بتوں سے برتر ایک ہستی کو مانتے تھے لیکن ان کا یہ خیال تھا کہ ان کے بت بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہین اور دنیا کے کاروبار کے انتظام مین خدا تعالےٰ کے ساتھ شریک ہین۔ اسی مضمون کی آیت جسمین بت پرستون کا ذکر ہے۔ سورہ یونس مین مذکور ہے وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ط قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ط اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ہ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ج وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ لا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ہ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ترجمہ اور جب ہم ان مشرک لوگوں کو کسی دکھ کے بعد جو ان کو پہنچ چکا ہو اپنی رحمت چکھاتے ہین تو وہ ہمارے نشانون کے خلاف مکر کرتے ہیں۔ انکو کہدے کہ اللہ کی تدبیر سریع الاثر ہے ہمارے رسول جو کچھ تم مکر کرتے ہو لکھتے جاتے ہین۔ وہی خدا ہے جو تم کو خشکی اور تری مین پھیراتا ہے یہانتک کہ جب تم کشتی مین سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیان ان کو خوشگوار ہواؤں کے ساتھ لے چلتی ہین اور وہ خوش ہوتے ہین تو ایک سخت ہوا آتی ہے اور ہر ایک طرف سے ان پر موجین آتی ہین اور وہ جان لیتے ہین کہ وہ انسے گھیرے گئے۔ تو پھر وہ خدا تعالےٰ کو خالص کرکے پکارتے ہین کہ اگر تو ہم کو اس سے نجاۃ دے تو ہم تیرے بڑے شکر گذار ہون لیکن جب ان کو خدا تعالیٰ نجاۃ دیدیتا ہے تو پھر وہ زمین مین بغیر حق کے فساد کرتے ہین + اس آیت مین بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ مصیبت کیوقت خالص خدا کو پکارتے ہین جیسا کہ آیت زیر بحث مین بتایا گیا تھا اور اسی آیت کیطرح یہان بھی یہی وعدہ کرتے ہین کہ اگر انکو مصیبت سے نجات ملجائے تو وہ خدا تعالےٰ کے شکرگذار ہونگے لیکن جب خدا تعالیٰ انکو نجاۃ دیدیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہین +

اب صرف یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے کیا مراد ہے۔ اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ مشرکوں کو بتایا جاوے کہ خدا تعالیٰ ہی انکا اور انکی بیویوں کا پیدا کرنے والا ہے نہ وہ کہ جن کو وہ خدا کے شریک ٹھیرلتے ہین اور انکو اس غلطی کا جتانا مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ

کو خالق مانکر وہ پھر دوسروں کو عبادت مین شریک ٹھیراتے ہیں - اب یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم ہر ایک خاندان ہر ایک فرقہ ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ نسل قریب سے ملی ہو یا دور سے چلی آتی ہو - اگر خَلَقَكُمْ مین ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحدہ عربوں کا جد مشترک ہوگا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے لیکن اگر ضمیر مین مشرکین کا ہر ایک فرد مراد لیا جاوے تو اس حالت مین نفس واحدہ یعنی ایک جان سے ہر ایک مشرک کا جو مخاطب ہے جد مراد ہوگا اس صورت مین معنی یہ ہوں گے کہ خدا ہی ہے جسنے اے مشرکو تم مین سے ہر ایک کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے دونوں صورتون مین لفظ نفس واحدہ یعنی ایک جان سے مشرکین عرب کے کسی ایک جد یا اجداد سے مراد ہوگی - الفاظ کے معنی دونو صورتون مین درست ہین اگرچہ سیاق اور سباق آیت پہلی معنوں کو ترجیح دیتا ہے - الفاظ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے جو اسی آیۃ کے آخر مین آے ہین یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آیت مین ایک جوڑہ کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی خاص جوڑہ مراد نہین بلکہ مشرک والدین کا ہر ایک جوڑہ مراد ہے کیونکہ خطاب عام طور پر سب کو کیا گیا ہے اور يُشْرِكُوْنَ جو کہ جمع کے صیغہ مین آیا ہے صاف ثابت کرتا ہے کہ اصل مراد دو سے زیادہ کی ہے - اس طرح پر ہر ایک جدا ایک نفس واحدہ ہوا اور ہمارا اختیار ہے کہ خواہ اس سے مراد ہر ایک موجود مشرک کے والدین کو لین یا کل مشرکین کے جد مشترک کو مراد لین باقی رہے الفاظ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سو ان کے متعلق یہ کہنا درست نہین کہ چونکہ یہاں عورت کا مرد سے پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کا مصداق سوائے آدم اور حوا کے اور کوئی نہین ہو سکتا - یہ خیال غلط ہے - سورہ روم مین قرآن شریف مین آیا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ترجمہ اور خدا کے نشانون مین یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم سے ہی تمہاری بیویان پیدا کین پس قرآن شریف کی رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہین ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لئے عورت اسی سے پیدا کی گئی ہے اور جیسا کہ وہان لفظ مِنْ آیا ہے جس کے معنی ہین اس نفس سے ایسا ہی یہان پر لفظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنے ہین تمہاری جانون سے - دونوں جگہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے عورۃ کو اسی قسم سے بنایا ہے جس سے مرد کو - اسی طرح پر قرآن شریف مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ آیتین آئی ہین لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ جنکے معنے یہ ہین کہ تم مین سے ہی ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے اور خدا نے امیون مین ایک رسول ان مین سے ہی بھیجا - اور یہاں الفاظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ جو استعمال ہوئے ہین وہ بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہین جو کہ مرد سے عورت کی پیدائش

کے متعلق استعمال ہوئے ہین +

اس طرح پر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت مین جسکی متعلق پادری مانزدیہ بیان کرتا ہے کہ اس مین کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسی گناہ کا مرتکب ہوا وہان نہ تو آدم کا نام ہے اور نہ ان الفاظ سے آدم مراد ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ اعتراض کرنے مین کسطرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کیطرف کوئی توجہ نہین کرتے حالانکہ وہی الفاظ ایسی ہین جنکو مسلمان سند مانتے ہین۔ اور بجائے ان الفاظ کے یہ لوگ کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ مین لیکر اسکو اسلام جیسے پاک مذہب پر حملہ کرنے کے لئے قیمتی ہتھیار سمجھتے ہین اور ایسے مفسر کو عالم و فاضل بیان کرتے ہین خواہ اسکی ایسی رائے کو سینکڑون فاضل اور معتبر مفسر رد کر چکے ہون۔

یہ کسقدر دیانت داری سے بعید ہے کہ ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کی بنا پر اعتراض کرتے ہین لیکن اعتراض کی بنیاد صرف کسی مفسر کی مردود رائے پر یا کسی مردود قول پر ہوتی ہی جسکو نہ صرف دوسرے معتبر مفسر ہی رد کر چکے ہیں بلکہ جس کی خود قرآن شریف بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔

ہم تعجب کرتے ہین کہ پادری صاحبان انبیا کیطرف گناہ منسوب کرنے مین کسقدر جرأت سی کام لیتے ہین حالانکہ ان کے ہاتھ مین کوئی دلیل بھی نہین ہی لیکن انجیلون مین جو یسوع کے متعلق اس قسم کا ذکر ہوتا ہے جس سے گناہ کا نتیجہ نکل سکی اسپر خاموشی ہی گذر جاتے ہین۔ آدم پر تو یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اسنے خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا لیکن ایسی مقابلہ کیوقت یسوع کا نام بھی نہیں لیتے جسنے انکی کتابون کے موافق خدائی کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ معمولی طور پر پیدا ہوا ہے اور کمزور سے کمزور انسان کیساتھ اس مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی آدم کسی عورت کے پیٹ سی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنی شکل پر اسکو پیدا کیا تھا لیکن پھر بھی اسنے ایسے کفر کا دعویٰ نہ کیا جو عیسائیوں کے اعتقاد کیمطابق ایک عورت کے بچے نے کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آدم کی خدائی ایک دانہ کے کھانے سے جاتی رہی تو پھر یسوع پر تو اس سے بھی بڑھکر اعتراض ہی کہ اسنے ایک ایسے کھیت سی جو دوسرے کا مال تھا خوشے توڑے اور اپنے مریدوں کو توڑنے دیے۔ حالانکہ یہ خوشے اسکے لئے ایسی ہی ممنوع تھے جیسا کہ آدم کے لئے دانہ۔ علاوہ اسکے آدم نے تو بھولکر دانہ کھایا تھا مگر یسوع نے عمداً حکم الٰہی کو توڑا اور علاوہ اسکے اس ناجائز فعل سی سبت کو جسکی تعظیم کا حکم تھا ناپاک کیا۔ اب مقابلہ سی آسانی سی یہ سمجھ مین آسکتا ہی کہ واقعی گنہگار کون شخص ہی آیا وہ جسکی متعلق یہ بیان کیا گیا کہ اسنے بھولکر ایک دانہ کھا لیا جس سے وہ

منع کیا گیا تھا اور اس طرح پر بغیر ارادہ کے اس سے حکم الٰہی کے متعلق چوک ہوگئی۔ یا وہ شخص جسکی متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسنے ارادۃً نہ ابتدائً بلکہ کئی خوشے توڑے جو اس کیلئے ممنوع تھے۔ اور اس طرح پر بڑی جرأت کے ساتھ حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کی۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری مانرہ صاحب اس میں فیصلہ دینگے۔

حضرت نوحؑ کی دُعا

اس عنوان کے نیچے صرف چند ہی لفظ کافی ہونگے۔ پادری مانرو کا مجرم کانشنس ہر ایک نبی پر کوئی نہ کوئی تہمت لگائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسنے بڑی جرأت کیساتھ یہ لکھا ہے کہ نوح اپنے بیٹے کیلئے دعا کرنی میں گناہ کا مرتکب ہوا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ خدا کا حکم جس میں نوح کو اپنے بیٹے کیلئے دعا کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ قرآن شریف میں کہاں مذکور ہے اور اگر وہ کوئی ایسا حکم الٰہی نہیں دکھا سکتا تو یہ کیسا قابل نفرین جھوٹھ ہے قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جسمیں یہ ذکر ہو کہ نوح کو اپنے بیٹے کے بچانے کے لئے دعا کرنیسے منع کیا گیا تھا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ آیت وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا یعنی ظالموں کے بارہ میں مجھسے خطاب نکرو۔ پادری صاحب کے لئے مفید نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا نوح کے ساتھ یہ بھی وعدہ تھا کہ اسکے اہل کو بچا لیا جاویگا۔ اسلئے پادری مانرو کو کوئی ایسی آیۃ پیش کرنی چاہیئے جس میں نوح کو اپنی بیٹے کے لئے جو اسکے اہل میں سے تھا دعا کرنیسے منع کیا گیا ہو۔ سورۂ ھود میں جہاں سے پادری صاحب نے اپنا اعتراض لیا ہے یہ آیتیں ہیں وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ترجمہ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور بلا شک تیرا وعدہ (میری اہل کو بچانے کا) سچ ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے۔ اسلئے ایسا سوال مجھسے مت کر جسکا تجھے علم نہیں دیا گیا۔ میں اس لئے تجھے سمجھاتا ہوں کہ تو جاہلوں سے نہ ہوجاوے۔ نوح نے عرض کیا اے میرے رب میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا سوال تجھسے کروں جسکا مجھ کو علم نہیں۔ اور اگر تو میری حفاظت

بخشے اور مجھپر رحم نکرے تو بیشک میں زیان کاروں میں ہونگا۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کو یہ خیال تھا کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ اسکے اہل کو بچانیکا ہے اسلئے شاید اس کا بیٹا بھی وعدہ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے لیکن جب حضرۃ نوح نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے یہ عرض کی کہ جناب الٰہی کا وعدہ اسکے اہل کو بچانے کا تھا اور اسکا بیٹا بھی اسکے اہل میں سے ہی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ خدا کے وعدے بالکل حق ہیں اور ہر ایک حکم جو اسکی جناب سے صادر ہوتا ہے وہ نہایت ٹھیک ہی اسکے جواب میں خداوند تعالیٰ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا اسکے اہل میں سے نہیں لیکن چونکہ صرف اسی قدر بیان سے حضرت نوح کے سوال کا جواب پورا نہ ہوتا تھا۔ اسلئے اس کی وجہ ساتھ یہ بیان فرمائی کہ وہ عمل غیر صالح ہے اس آخری فقرہ کو پادری مانرو حضرت نوح کی دعا کے متعلق سمجھتا ہے۔ کئی وجوہات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ضمیر کے لئے پہلے کوئی اسم ہونا چاہیے جس کی بجائے وہ ضمیر آئے لیکن پہلی فقرہ میں کوئی ایسا اسم جیسا مثلاً نوح کی دعا یا نوح کا سوال یا نوح کا فعل واقعہ نہیں ہوا۔ اور اسلئے اِنَّہٗ میں جو ضمیر ہے اس کو حضرت نوح کی دعا یا سوال کے متعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ دوم اِنَّہٗ جو پہلے واقعہ ہوا ہے اسسے اور بھی صفائی سے معلوم ہوتا ہے جملہ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ معاً اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ کے بعد آتا ہے لیکن اس آخری جملہ کی ضمیر صاف طور پر بیٹے کیطرف ہے جسکا ذکر پہلی آیۃ میں ہے۔ اور اسلئے اِنَّہٗ جو پہلے جملہ میں واقعہ ہوا ہے یعنی اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ میں اس کی ضمیر بھی اسی اسم کیطرف پھرتی ہے دونوں ضمیریں ایک ہی طرز سے واقعہ ہوئی ہیں اور ان کا تعلق صاف بتاتا ہے کہ وہ ایک ہی اسم کیطرف پھرتی ہیں۔ لیکن چونکہ پہلی ضمیر بغیر کسی شک کے نوح کے بیٹے کیطرف پھرتی ہے دوسری ضمیر بھی سوائے اسکے اور کیسی طرف نہیں پھر سکتی۔ سوم نوح نے ان الفاظ میں دعا کی تھی کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور اسلئے صرف اسی قدر جواب کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کافی نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ ساتھ کوئی وجہ نہ بتائی جاتی کہ کیونکر اس کا بیٹا اسکے اہل میں سے خارج ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ نوح کیساتھ ان کے اہل کو بچانے کا تھا۔ اسلئے جب انھوں نے اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو فطرتاً وہ خدا تعالےٰ کے آگے چلا اُٹھے کہ اُن کا بیٹا بسبب انکے اہل میں سے ہونے کے وعدہ کے اندر آنا چاہیے تھا لیکن خدا تعالےٰ نے اس کا یہ جواب دیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ جواب نوح کی عرضداشت کا کافی جواب کسی صورت میں خیال نہیں کیا جا سکتا ہے جب تک کہ کوئی وجہ ساتھ نہ بتائی جاوے کہ کیوں بیٹا اہل میں سے نہیں سمجھا جانا چاہیے کیونکہ لفظ کے عام معنوں میں

بیٹا اہل میں تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے الفاظ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ کے بعد یہ وجہ بیان فرما دی کہ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کہ اس کے عمل اچھے نہیں۔ اور اس وجہ کے بیان کئے جانے کے بغیر فقرہ بالکل نامکمل رہتا ہے۔

پادری مانرو کو الفاظ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ سے جو کہ نوح کے بیٹے کے متعلق استعمال ہوئے ہیں یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان کو عمل غیر صالح نہیں کہا جا سکتا اس لئے یہ الفاظ نوح کے بیٹے کے متعلق نہیں بلکہ نوح کی دعا کے متعلق ہونے چاہییں۔ لیکن ایسا اعتراض صرف عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہو سکتا ہے۔ زبان عربی میں ایسے الفاظ عام طور پر مستعمل ہوتے ہیں جیسا کہ کسی شخص کے متعلق مثلاً یہ کہا جاوے اِنَّہٗ عِلْمٌ وَکَرَمٌ وَجُوْدٌ یعنی وہ شخص علم ہے۔ کرم ہے۔ اور سخاوت ہے۔ جب کہ مراد یہ ہو کہ اس کا علم اور کرم اور سخاوت بہت بڑا ہے قرآن شریف میں بھی اس کی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ آہ ترجمہ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کیطرف پھیرو لیکن نیکی ہے۔ وہ شخص جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر یہاں اس شخص کو جو اللہ تعالےٰ پر الآیۃ ایمان لائے صاحب نیکی کہنے کے بجائے نیکی کہا گیا ہے۔ اس لئے ایک ایسے شخص کو جو صاحب عمل غیر صالح ہو عمل غیر صالح کہنے میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ ایک عام محاورہ اہل عرب کا ہے۔ ایک اور امر پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں اسی فقرہ کی ایک قراۃ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ ہے۔ اور یہاں ماضی کا صیغہ عَمِلَ بجائے مصدری صورۃ عَمَلٌ کے استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ ہم ایسی قراءتوں سے اور کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصل جو الفاظ قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں ان کے معنوں پر دوسری قراءۃ سے روشنی پڑتی ہے۔ اب دوسری قراءۃ کے مطابق معنی یہ ہیں کہ اس نے عمل کئے عمل غیر صالح۔ اور یہ معنی ہم کو اصل الفاظ کے معنی کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ اصل الفاظ یعنی اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کے یہی معنے سمجھے گئے تھے۔ اس لئے جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل معنے ان الفاظ کے وہی ہیں جو ہم نے اوپر کئے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے جو دعا لوط کی قوم کے لئے کی اس سے بھی نوح کی دعا کے معاملہ پر روشنی پڑتی ہے حضرت ابراہیم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ یعنی لوط کی قوم کے بارہ میں

ہم سے جھگڑا کیا اب اگر نوح کی دعا اپنے بیٹے کے لئے اس خیال پر کہ انھون نے اسکو وعدہ مین شامل سمجھا گناہ ہوسکتی ہے تو ابراہیم کی سفارش لوط کی قوم کے لئے زیادہ سخت گناہ قرار دیا جانا چاہیئے تھا کیونکہ علم کے معاملہ مین تو بہرحال حضرۃ ابراہیم کی حالت حضرت نوح کی حالت سے کم نہین اور عذاب الہی بھی ضروری آنے والا تھا اور اسلئے ان کی سفارش بھی قضاء وقدر الہی کے اسی طرح برخلاف تھی بلکہ حضرت ابراہیم کا معاملہ حضرت نوح سے بعد ہوا ہے اور اس واسطے اُن کو حضرت نوح کے قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا اگر وہ نوح کا گناہ ہوتا۔ ابراہیم کا گنہگار قوم کے لئے یہ سفارش کا قصہ اسی سورت مین حضرت نوح کے قصہ کے بعد مذکور ہے اس سے لئے ان دونو قصون کے بیان کئے جانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت نوح کی دعا خدا تعالے کی ناراضگی کا کچھ بھی موجب ہوتی تو ابراہیم کی سفارش اس سے بڑھ کر ناراضگی کا موجب ہونی چاہیے تھی۔ درحقیقت حضرت ابراہیم کا قصہ حضرت نوح کی دعا کے قصہ کی تشریح کرتا ہے اس لئے ہم دیکھتے ہین کہ ابراہیم کی دعا پر اللہ تعالے کیا فرماتا ہے وہ آیت اس طرح پر ہے یُجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوْطٍ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُنِیبٌ - یَا اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا - ترجمہ ابراہیم ہمارے ساتھ لوط کی قوم کے بارہ مین جھگڑنے لگا کیونکہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بہت خدا تعالے کیطرف رجوع کرنے والا تھا اے ابراہیم اس سے رک جاؤ۔ جیسا نوح کو اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنیسے روکا گیا اسی طرح پر ابراہیم کو قوم لوط کے لئے دعا کرنے سے روکا گیا۔ چونکہ قرآن بعض بعض کی تفسیر ہے۔ اور ابراہیم کا قصہ بعینہ نوح کے قصہ کیطرح اسجگہ پر واقعہ ہوا ہے اسلئے ہم ان دونو قصون کی صورت کو ایک ہی سمجھینگے۔ کوئی وجہ نہین کہ نوح کو اسی فعل کیلئے عمل غیر صالح کا مرتکب کہا جائے جس کے لئے ابراہیم کی جو نوح سے بعد آیا اسقدر تعریف کیگئی ہے اگر ایسی دعا سے ابراہیم نرم دل ثابت ہوتا ہے جیسا کہ خدا تعالے نے فرمایا تو نوح بھی اس دعا سے نرم دل ثابت ہونا چاہیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دونو صورتون مین صرف الفاظ مختلف ہین اور معانی ایک ہی ہین۔ جسطرح پر نوح کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے اسی طرح پر ابراہیم کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے کیونکہ وہ لوگ جنکے لئے وہ دعا کرتے تھے اپنی بدعملیوں کے سبب سے خدا تعالیٰ کے رحم کے مستحق نہ تھے۔ پھر جسطرح ابراہیم مُنِیب یعنی خدا کیطرف رجوع کرنے والا بیان کیا گیا اسی طرح پر نوح کیمتعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے خدا کی حفاظت اور مدد طلب کی اور اس طرح پر خدا کیطرف اسکا رجوع کرنا ثابت کیا

گیا ہے بس کوئی لفظ ہمین ایسا معلوم نہین ہوتا جس سے یہ نتیجہ نکال سکین - کہ اپنے بیٹے کے واسطے دعا کرنے کے لئے حضرت نوح کو خدا نے گناہ گار ٹھیرایا - یہ الفاظ کہ "اے میرے خدا مین تیری حفاظت طلب کرتا ہون کہ ایسا سوال کروں جسکا مجھے علم نہیں کیونکہ اگر تو میرا محافظ نہ ہو اور مجھپر رحم نکرے تو مین زیانکارون سے ہوں گا" پادری مانزو کے بیان کی تائید نہین کرتے - ہم تسلیم کرتے ہین کہ کیا نبی اور کیا غیر نبی سب خدا تعالےٰ کی حفاظت کے محتاج ہین اور جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت طلب نہین کرتا یا جسکو خدا تعالیٰ کی حفاظت نہین دیجاتی وہ بیشک زیانکاروں مین سے ہے - چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی اور فرمایا رَبِّ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ یعنی اے میرے خدا مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس کیطرف مت چھوڑ یعنی تو ہی میرا ہر وقت محافظ اور مددگار رہ - لیکن چونکہ حفاظت الٰہی حضرت نوح کے شامل حال تھی اسی واسطے بچائے گئے اور اگلی آیت مین خدا تعالیٰ انکی نسبت فرماتا ہی یٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ یعنی اے نوح اتر وہماری طرف سے سلامتی اور برکتین لیکر - کیا یہ بھی کبھی دنیا مین ہوا ہے کہ گناہ کا بدلہ خدا کی طرف سے سلامتی اور برکتین دیجاوین -

مگر یہ ایک ہی امر نہین جو پادریوں کیطرف سے ہمین تعجب مین ڈالتا ہے - کہ وہ ناحق خدا کے نبیوں کی شان مین تہمتین لگاتے ہین بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہی کہ انکی انجیلوں کی بنا پر وہ انسان جسکو وہ اپنا خدا سمجھتے ہین زیادہ سخت گناہوں کا مرتکب ٹھیرتا ہے - مثلاً حضرت نوح پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھونے اپنے بیٹے کے لئے دعا کرکے خدا کی نافرمانی کی اور اس کو ہم جھوٹ ثابت کر چکے ہین کیونکہ نہ تو حضرت نوح کو یہ حکم ہی دیا گیا تھا کہ تو اپنے بیٹے کیلئے دعا نہ کرنا اور نہ ہی حضرةٔ نوح کے دعا کرنے کو کہین گناہ کہا ہے - لیکن ایک دعا کے ہی معاملہ مین اگر ہم انجیلوں کا اعتبار کریں تو یسوع گنہگار ٹھیرتا ہے - انجیلوں کے مطابق خدا نے یسوع کو اس لئے دنیا مین بھیجا تھا کہ تا وہ صلیب پر جان دے اور اس حکم الٰہی کا اسکو بخوبی علم تھا - اس لئے صلیب پر مرنے سے بچنے کیلئے دعا کرنے سے بڑھ کر یسوع اور کوئی گناہ ہی نہ کر سکتا تھا - لیکن انجیلوں مین لکھا ہے کہ اسنے بچنے کے لئے رو رو کر دعا کی اور ساری رات حکم الٰہی کی خلاف ورزی مین صرف کی اور غم سے اسکی موت تک نوبت پہونچ گئی - بس کوئی شک نہین کہ یسوع کی یہ دعا کہ موت کا پیالہ ٹل جائے خدا کے اس حکم کی نافرمانی تھی جسکا منشا یہ تھا کہ وہ صلیب پر لعنتی موت سے مرے - درحقیقت پادریوں نے یسوع کی اس دعا کے گناہ کو چھپانے کے لئے اسکا گناہ حضرةٔ نوح پر تھوپ دیا ہے - ہم امید کرتے ہین کہ پادری مانزو قلم اٹھاتے وقت ضرور وضاحت کے ساتھ بیان کریگا -

کہ کیون حکم الہی کی خلاف ورزی مین اپنے بچاؤ کے لئے دعا کرنیکے واسطے یسوع گناہ گار نہین اور نوح قرآن شریف کے مطابق کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہوا +

حضرت یونس کا بھاگنا

حضرت یونس کیمتعلق پادری مانزو نے اپنی معمولی جرأت کیساتھ یہ جھوٹ بیان کیا ہی کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور حوالہ کے لئے قرآن کریم کو پیش کرتا ہے جن آیتوں کا اُس نے حوالہ دیا ہے اُنکو مفصل نقل کر کے ہم آگے دکھائینگے کہ پادری مذکور نے کیسی سفید جھوٹ بولکر ناحق اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اُسکی اس جھوٹ کی تائید نہین کرتا پہلے ہم ان آیتوں کو لیتے ہین جو سورہ انبیاء میں اس قصہ کیمتعلق آئی ہین اور جنکا حوالہ پادریصاحب نے دیا ہی۔ اس سورۃ کے مضامین جیسا کہ اسکے نام سی ظاہر ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام کے متعلق بالخصوص نہایت ضروری ہین۔ پہلے بیان کیا گیا ہی کہ کیونکر انبیاء سے استہزا کیا جاتا ہے اور اُنکی تحقیر اور توہین کیجاتی ہی اور اُنکو گالیاں دیجاتی ہین اسکے بعد انبیاء کے مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے اور پھر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انبیاء حکم الہی کی خلاف ورزی کا ارادہ ہی نہین کر سکتے چنانچہ فرمایا عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون انبیاء خدا کے مکرم بندے ہین جو خدا کے حکم سے آگے بڑھ کر بات نہین کرتے اور اسی کے ارشاد کیمطابق کام کرتے ہین کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی خیال نہین کر سکتا کہ ان الفاظ کے بعد انبیاء کی نافرمانیوں کا ذکر بھی ہو سکتا ہی بلکہ یہاں تو نافرمانی کے امکان کو ہی توڑا گیا ہی اور انکی فطرۃ کو ہی ایسا بیان کیا گیا ہی کہ نافرمانی کا ارادہ بھی وہ نہین کر سکتے اس عام بیان کے بعد ضروری تھا کہ تشریح کیطور پر کچھ الگ الگ ذکر انبیاء کا بھی ہوتا جو انبیاء کے اس وصف کو ظاہر کرنیوالا ہوتا۔ اور قرآن شریف کی یہ عادت بھی ہی کہ عام بیان کے بعد وضاحت کے لئے خاص مثالین بیان فرماتا ہی۔ اس بیان کی تصدیق کیلئے اسی سورۃ کا مطالعہ کافی ہی کہ کسطرح انبیا کے متعلق خدا تعالیٰ اپنے انعامات و اکرامات کا بیان کرتا ہی اور دکھاتا ہی کہ جو کچھ اسکا منشا تھا انبیا کرتے رہے اور اس لئے خدا بھی ہمیشہ اُنکے ساتھ رہا۔ چنانچہ چند انبیاء کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہی۔ ہر ایک نبی کی فضیلت کو بیان کر کے بتایا گیا ہی کہ اس مستحکم تعلق اور قرب کے باعث جو خدا کے ساتھ اُنکو تھا کیونکر اللہ تعالیٰ ہر ایک مصیبت کیوقت جو دشمنوں کے ہاتھ سی یا قضاء و قدر الہی سی اُنپر وارد ہوئی اُنکو بچاتا رہا۔ پہلے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے

ولقد اٰتینآ ابراھیم رشدہ من قبل (اور اس سے پہلے ہمنے ابراہیم کو رشد عطا فرمایا) پھر بیان کیا کہ کیونکر لوگ اس سبب سے اس کے دشمن ہو گئے کہ اس نے منشاء الٰہی کے مطابق بتونکو توڑا اور بالآخر یہ بیان ہے کہ کسطرح ہر ایک مصیبت اور تنگی کے وقت مین خدا تعالیٰ اسے نجات دینا رہا حضرۃ ابراہیم کی اولاد مین سے اسحٰق اور یعقوب کا نام لیا گیا ہے اور پھر یہ آیت آتی ہے وکلا جعلنا صلحین وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینآ الیھم فعل الخیرات اور ہر ایک کو ہمنے راستباز بنایا اور انکو امام بنایا جو ہمارے احکام کی لوگونکو ہدایت کرتے اور ہمنے انکی طرف نیک کامونکی وحی کی پھر حضرۃ **لوط** کا ذکر فرمایا کہ ہمنے اسکو حکمۃ اور علم سکھایا اور اسکو اس گاؤن سے نجاۃ دی جو بد عملیان کرتے تھے۔ پھر حضرت **نوح** کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکو اور اسکے اہل کو بڑی مصیبت سے نجاۃ دی" پھر حضرت **داوٗد** اور **سلیمان** کا ذکر ہے کہ ہمنے انھین حکمۃ اور علم عطا فرمایا" پھر **ایوب** علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکے دکھ کو دور کیا" پھر حضرۃ **اسمعیل ادریس** اور **ذوالکفل** کا ذکر ہے جو بڑے صابر تھے اور ہمنے انکو اپنی رحمت مین داخل کیا کیونکہ وہ بڑے راستباز تھے" یہان سے حضرۃ **یونس** کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ وذاالنون اذ ذھب مغاضبًا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنتُ من الظٰلمین فاستجبنا لہٗ ونجینٰہ من الغم وکذالک ننجی المؤمنین **ترجمہ**۔ "اور ہمنے ذوالنون کو بھی رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب کیحالت مین چلا گیا اور اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر تنگی نہین کرینگے یا اسپر مصیبت نہین ڈالین گے (لیکن جب وہ مصیبت مین گرفتار ہو گیا) تو پھر اس نے اس تاریکی مین (جسکے اندر وہ مچھلی کے پیٹ مین پڑا ہوا تھا) ہمین پکارا اور دعا کی کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور مین کمزور اور مصیبتون مین پھنسا ہوا ہون۔ پس ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اُسکو مصیبت سے نجات دی اور ہر ایک ایمان والیکو ہم اسی طرح نجاۃ دیتے ہین" یہان ذوالنون منصوب واقع ہوا ہے اور واو عاطفہ ظاہر کرتی ہے کہ اسکا عطف کسی پہلے فعل پر ہے جیسا کہ حضرۃ ابراہیم کے بعد جتنے نام آے ہین وہ واو عاطفہ کے ساتھ سب منصوب آئے ہین اس لئے ان سب مین وہی فعل مقدر ہے۔ جو حضرۃ ابراہیم کے متعلق بولا گیا۔ اسی لئے ہمنے وذاالنون کا ترجمہ فعل مقدر کو ظاہر کرکے کیا ہے۔ آخری آیۃ سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس مصیبت مین حضرۃ یونس گرفتار ہوئے وہ اسی قسم کی تھی جیسی پہلے انبیاء پر وارد ہوئی تھی اور اُن کا نجاۃ پانا اُسی طرز کا تھا جیسا پہلے انبیاء کا جنکا ذکر اسی سورۃ مین حضرت یونس سے پہلے ہو چکا ہے نیز جو خلاصہ مضمون اس سورۃ کا ہمنے اوپر دیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ میں جسقدر انبیاء کا ذکر ہے اُن مین سے اکثر کا ذکر اسی طرح پر واقع ہوا ہے کہ وہ بڑی بڑی مصیبتون

گرفتار ہوئے لیکن جب انھون نے خدا سے دعا کی تو خدا نے اُنکی دعا کو قبول کیا اور اُنکی مصیبت کو دور کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مصائب جو انبیاء پر آتے رہے ہیں وہ اُنکے گناہونکے سبب سے نہین تھے۔ بار بار اس امر پر اس سورۃ مین زور دیا گیا ہے کہ کسطرح صبر کے ساتھ انبیاء نے ان مصیبتونکی برداشت کی جو قضا و قدر سے یا انکے دشمنون کے ہاتھ سے انھین پہنچی رہین۔ اور کسطرح انھون نے ہر ایک بھروسہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو ہی پکارا اور اسی کی مدد طلب کی جب ساری دنیا انکو چھوڑ چکی تھی اور بالآخر کسطرح پر خدا کے فضل اور تائید غیبی نے انھین اُن مشکلات سے نجاۃ دی۔ جو پہاڑ کیطرح نظر آتی تھین۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مین قریباً ہر ایک نبی کے متعلق ان الفاظ کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ **نجینٰہ** کہ ہمنے اسکو نجاۃ دی۔ یہی الفاظ حضرۃ یونس کے متعلق استعمال کئے گئے ہین اور اسجگہ اسکے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے **کذٰلک ننجی المؤمنین** کہ ہر ایک شخص کو جو مصائب کیوقت خدا پر پورا ایمان رکھے ہم اسی طرح نجاۃ دیتے ہین اور ان الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جن مشکلات مین حضرت یونس مبتلا ہوگئے تھے اور جسطرح انکو نجات دیگئی۔ وہ بعینہٖ اسی طرز کی تھی جیسا کہ پہلے انبیاء کی مشکلات اور انکا نجات پانا تھا۔

اب ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہین جو حضرۃ یونس کے متعلق ہمنے اوپر لکھی ہین سب سے پہلے الفاظ قابل غور ہین کہ ہمنے یونس کو رشد عطا کیا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ قرآن شریف مین یہ نہین لکھا کہ یہ انکا غضب کسکے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب انکا خدا تعالےٰ کے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو اسی غضب مین چلے جانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمنے اسکو رشد عطا فرمایا اگر انکا غضب خدا تعالےٰ کے بر خلاف ہوتا تو اس طرح پر بیان کیا جانا چاہیے تھا کہ یونس سخت غلطی مین تھا اور خدا کے غضب کے نیچے تھا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ نہ یہ کہ ہمنے اُسکو رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب مین چلا گیا۔ علاوہ ازین ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب مین تھا اگر بے ایمانی نہین تو بیوقوفی ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ اسی سورۃ مین یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ خدا کے نبی وہ مکرم بندے ہین جو نہین بولتے جب تک خدا انکو نہ بلاوے اور کوئی کام نہین کرتے جب تک خدا انکو کرنے کا حکم نہ دے۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہین کہ ان تفصیلات کو دیکھین کہ یونس کا غضب کس پر تھا کیونکہ قرآن شریف نے اسکو مجمل رکھا ہے اور اسکی تفصیل کو ضروری نہین سمجھا۔ ہان اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق وہ اس ملک کا بادشاہ تھا جسکے برخلاف یونس غضبناک ہوا اور بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ وہ اسکی اپنی قوم تھی جسکو وہ وعظ کیا کرتے تھے۔ اور جنھون نے اسکو قبول نکیا ان دونو باتون مین سے کوئی سی مان لین تو حضرۃ یونس کا قصہ دوسرے انبیا کے قصص کے مطابق ہو جاتا ہے

جو اس سورۃ مین بیان کئے گئے ہین - اور نیز انبیاء کی اس خصوصیت کے مطابق ہو جاتا ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے -

اس کے بعد یہ الفاظ آتے ہین فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اور وہ یہ موقعہ ہے جہان یا تو پادری صاحبان اور اُسکے دوستوں کو غلطی لگی ہے یا انھون نے عمداً غلط معنے کئے ہیں - صحیح معنے وہی ہین جو ہمنے اوپر کئے ہیں جن لوگون نے اسکے معنے یہ سمجھے ہیں کہ "اُسنے خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی قدرت نہین رکھتے" ان کے متعلق صاحب ..... **لسان العرب** کہتا ہے دیکھو جلد ۶ صفحہ ۳۸۶ ولا یتاول مثلہ الا الجاھل بکلام العرب ولغاتہا یعنی ایسے معنے کوئی نہین کرتا سوائے ایسے شخص کے جو عربون کے کلام اور انکے لغات سے بالکل جاہل ہو پھر اس فقرے کے معنے کرتے ہوئے اسی کتاب مین لکھا ہے کہ اُسکے صحیح معنے یہ ہین کہ ہم اسکیلئے کوئی مصیبت مقدر نہین کرینگے یا ہم اس پر تنگی نہیں کرینگے اور یہ دونو معنے عربی زبان مین مشہور ہین" ان معنوں کی مثالین قرآن شریف مین اور جگہ بھی موجود ہین - چنانچہ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ اور مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ اگر بالفرض کسی نے غلطی سے یا عربی زبان کی ناواقفیت کے سبب سے یہ معنے کئے بھی ہوں تو وہ سند نہین ہوسکتے کیونکہ تمام مفسرین اور اہل لغت نے اس غلطی کو بیان کرکے اسکے صحیح معنے کر دیئے ہین - یہ پادریون کی محض بیوقوفی ہے کہ غلط ترجمہ پر زور دیے جاتے ہین - جب کہ اس غلطی کی اس قدر زور سے تردید بھی کر دی گئی ہے -

ان الفاظ پر غور کرنا باقی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ لفظ ظلم پر الگ مفصل بحث کیجاویگی - یہان اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ حضرت یونس یہان انسانی کمزوری اور نقص کا خدا تعالی کے کمال اور قدرت کے سامنے اقرار کرتے ہین - لفظ سبحانک کے یہی معنے ہین کہ اے خدا تو ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور اپنی ذات مین کامل ہے - خدا تعالی کی طاقت اور کمال کے سامنے وہ اپنی انسانی حالت کو عاجز طور پر بیان کرتے ہین اور اپنے مصائب اور تکالیف کو اُسکے سامنے پیش کرتے ہین وہ تمام قوۃ خدا تعالی کیطرف منسوب کرتے ہین اور کمزوری اپنی طرف اور التجا کرتے ہیں کہ خدا تعالی اپنی طاقت کے ساتھ ان کو ان مصائب سے نجات دے جنمین وہ مبتلا ہین کیونکہ وہ خود باہر نکلنے کی طاقت نہین رکھتے - ایسا ہی وہ بے عیبی کو خدا تعالے کی طرف منسوب کرتے ہین اور اس کے بالمقابل انسانی نقص کو پیش کرتے ہین اور خدا سے دعا کرتے ہین کہ اس کا کمال انکے تمام فطرتی نقصونکو پورا کرے - اسطرح خدا تعالی کے کمال مطلق اور انسانی کمزوری اور عجز کو بالمقابل رکھا گیا

ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ معتبر روایتوں مین آیا ہے فرمایا کہ جو شخص بڑی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا حضرۃ یونس کے الفاظ مین دعا کرے گا یعنی ان الفاظ مین کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اس کے مصائب دور کئے جائین گے۔ تو گویا اس دعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ یہ مصائب سے نجاۃ طلب کرنیکے لئے ہے اور یہ نہین فرمایا کہ یہ گناہ سے معافی مانگنے کے لئے ہے۔ اس حدیث سے اس دعا کے معنی بالکل صاف ہو جاتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ظلم جو یہان استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ مصائب ہین جو حضرۃ یونس کو پیش آئے تھے نہ کہ گناہ۔ کسی گناہ کا آگے یا پیچھے ذکر نہین۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ دعا مصائب سے نجاۃ مانگنے کے لئے ہے چنانچہ فرمایا مَا دَعَا بِهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَطُّ وَهُوَ مَكْرُوْبٌ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهٗ یعنی جو کوئی مسلمان جو مصائب کے نیچے دبا ہوا ہو یہ دعا کرے گا۔ ضرور ضرور خدا تعالے اسکی دعا کو منظور کر لیگا۔ اس لئے اس دعا مین لفظ ظالم کے معنے یہ ہین کہ مصائب کے نیچے دبا ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت یونس کی حالت مین ایک شخص کی مناسب حال بالکل نہین ہو سکتی اور نہ ہی اس دعا کو مصائب اور مشکلات سے نجاۃ پانے سے کچھ تعلق ہونا چاہیے۔

آخری الفاظ ان آیات کے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ان معنون پر اور زیادہ روشنی ڈالتی ہین یہان ایک دعا کا ذکر ہے جو خدا تعالے نے قبول کی اور اس قبولیت کا نتیجہ مصیبت سے نجاۃ دینا ہے اور ساتھ ہی ایسی نجاۃ کا ہر ایک مومن سے وعدہ ہے جو دعا کرے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس کی دعا مصیبت سے نجاۃ کیلئے تھی جسکو قبول کر کے خدا تعالی نے اُسکو نجات دی۔ لیکن قرآن شریف مین جس دعا کا ذکر ہے وہ صرف یہی دعا ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور اس دعا مین حضرۃ یونس کے متعلق جو لفظ ہے وہ ظالم کا لفظ ہے۔ اس لئے حضرۃ یونس کی دعا بھی اسی حالت ظلم سے نجات پانیکے لئے تھی۔ لیکن دعا کی قبولیت ہمین بتاتی ہے کہ یہ حالت سخت مصیبت اور تکلیف کی حالت تھی اس لئے ہم لفظ ظالم کے معنے اسی کے مطابق کر سکتے ہین یعنی مصیبت کے نیچے دبا ہوا اس لئے جہانتک ان آیات کا ہم کوئی مفہوم لے سکتے ہین۔ نہ تو حضرت یونس کے خدا سے بھاگنے کا ذکر ہے خدا کے کسی حکم کو توڑنے کا ذکر ہے اور نہ کسی گناہ کا اقرار ہے۔

اب ہم سورۃ الصّافات مین جو حضرۃ یونس کے متعلق آیتین آئی ہین انکو لیتے ہین۔ وہ آیتین اس طرح پر ہین۔ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ۝ فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖ الخ اور یونس ہمارے مرسلون

میں سے ایک تھا۔ یاد کرو جبکہ وہ بھرے ہوئے جہاز کیطرف بھاگ گیا اور قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ اُسی پر پڑا پھر مچھلی اسکو نگل گئی اور وہ مستحق ملامتہ سمجھا گیا تھا لیکن اگر وہ ہماری تسبیح و تقدیس کرنیوالوں میں سے نہ ہوتا تو اسی کے پیٹ میں رہتا" اس سورۃ میں بھی یہی ذکر ہے کہ کسطرح خدا تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو انکے دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دی کسطرح پر نوحؑ پھر ابراہیمؑ پھر موسےٰ اور ہارون پھر الیاس پھر لوط کو عین ضرورۃ کیوقت خدا تعالےٰ نے مدد دی کیونکہ ان کا بھروسہ خدا ہی پر تھا اور وہ بڑے بڑے مصائب اور ابتلاؤں کے وقت ثابت قدم رہے۔ اور راستبازی کے کام کرتے رہے چنانچہ قریباً ہر ایک نبی کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ یعنی اسی طرح پر ہم راستبازوں کو انعام دیتے ہیں کیونکہ وہ (یعنی جس نبی کا ذکر ہے) مصائب کے وقت ہمارے ثابت قدم بندوں میں سے تھا۔ اس کے بعد حضرۃ یونس کا ذکر ان تعریفی الفاظ میں شروع ہوتا ہے یونس بھی ان لوگوں میں سے تھا جنکو ہم نے نبی کر کے چن لیا۔ اس کے بعد اس مصیبت کا بیان ہے۔ جو حضرۃ یونس پر اسی طرح پڑی جسطرح حضرۃ ابراہیم۔ نوح۔ موسےٰ۔ لوط۔ وغیرہ دوسرے انبیاء پر مصیبتیں آئیں۔ اس مصیبت کا آغاز یہ ہے کہ حضرۃ یونس کو ایک جہاز کیطرف بھاگنا پڑا۔ یہ فرض کرنا کہ وہ خدا سے بھاگے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے اگر خدا کا یہی منشاء ہوتا تو ماقبل کی آیت میں بجائے یہ کہنے کے کہ یونس بھی ہمارے برگزیدہ رسولوں میں سے تھا یہ کہنا چاہیے تھا کہ یونس بھی گنہگاروں یا مجرموں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ خدا سے بھاگ گیا۔ سورۂ انبیا کی آیۃ پر بحث کرتے وقت ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرۃ یونس کا بھاگنا اُس ملک کے بادشاہ سے تھا یا اپنی قوم سے۔ اسکے بعد جب حضرۃ یونس جہاز میں چڑھ بیٹھے تو اور بھی زیادہ مصائب نے انکو آگھیرا۔ قرعہ ڈالکر انکو دریا میں پھینکا گیا اور اہل جہاز نے خیال کیا کہ وہ واقعی ملامتہ کے قابل ہیں لیکن چونکہ وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک قابل ملامت نہیں تھے اس لئے خدا تعالےٰ نے اُنکو بچا لیا۔ اگر وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک ایسے ہی ملزم ہوتے جیسا کہ لوگوں نے انکو خیال کر لیا تھا جب وہ دریا میں پھینکے گئے تھے تو وہ ضرور غرق ہو جاتے کیونکہ خدا تعالیٰ انکی مدد نہ کرتا۔ لیکن خدا تعالےٰ خود ان کے ملزم ہونیکا انکار ان الفاظ میں کرتا ہے فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ اور فرماتا ہے کہ اگر واقعی وہ خدا کی تسبیح کرنے والا نہ ہوتا اور ملزم ہی ہوتا جیسا کہ لوگوں نے اسے خیال کر لیا تھا تو ضرور غرق کیا جاتا لیکن خدا تعالیٰ اسکی نسبت یہ بیان کر کے کہ وہ خدا کی تسبیح اور تقدیس کرنے والوں میں سے تھا اور اس لئے بچا لیا گیا اس کے ملزم ہونے سے صاف انکار کرتا ہے کیونکہ اگر وہ خدا کو ناراض کر کے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر کے بھاگا ہوتا تو وہ مسبح نہ ٹھیرتا لیکن چونکہ وہ ہر وقت خدا پر خالص اور سچا ایمان رکھتا تھا۔ جیسا کہ دوسرے انبیاء رکھتے تھے اس واسطے خدا نے اسکو

عین اُس وقت بچا لیا جبکہ اُسکے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ حضرۃ یونس خدا تعالے سے کبھی نہیں بھاگے ہاں یسوع کے متعلق ایک واقعہ کا انجیل مین ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا کہ یسوع خدا سے بھاگ گیا کیونکہ انجیل مین لکھا ہے کہ جب اس مقصد کے پورا ہونے کا وقت آیا جسکے لئے عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب خدا نے یسوع کو بھیجا تھا تو یسوع ایک باغ مین چھپ گیا۔ اب یہودیون سے اپنے آپ کو چھپانا خدا تعالے سے بھاگنا تھا کیونکہ یہودی اس وقت عیسائیوں کے اعتقاد کے رو سے خدا تعالے کے حکم کو پورا کرنا چاہتے تھے لیکن یسوع اسقدر دلیری نہ کرسکا کہ اس حکم الٰہی کے مطابق وہ خود ہی یہودیوں کے پاس چلا جاتا اور صلیب پر چڑھنے کی درخواست کرتا اور اسی لئے بیچارے یہودیونکو اُسکے منتخب شاگردوں مین سے ایک کو رشوت دینی پڑی تاکہ اس کا پتہ ملجاوے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ پادری یسوع کے اس طرح پر خدا سے بھاگنے کی کیا تشریح کرتے ہین۔

حضرت موسیٰ کا قتل کرنا

پادری مانو حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ ایک خون ناحق کر کے خدا کے گنہگار ہوئے۔ اور سورۃ قصص کی بناپر وہ یہ الزام پیش کرتا ہے۔ سورۃ قصص مین یہ قصہ اس طرح پر مذکور ہے۔ اور جب موسیٰ عین بلوغت پر پہونچا اور اسکے انسانی قوے پوری طرح نشو و نما پا گئے تو ہمنے اُسکو علم اور حکمت دیا کیونکہ راستبازونکو ہم اسی طرح پر انعام دیا کرتے ہین اور وہ ایسے وقت شہر مین داخل ہوا جبکہ لوگ غفلت کیحالت میں تھے اور اسنے دو آدمی لڑتے پائے ایک اُسکی اپنے گروہ مین سے اور دوسرا اسکے دشمنوں میں سے۔ جو شخص اسکی اپنی گروہ مین سے تھا۔ اسنے موسیٰ کے پاس فریاد کی اور دشمن پر مدد چاہی تو موسیٰ نے اسکے ایک مُکا مارا تو وہ مرگیا۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیطان دشمن صریح بہکانیوالا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب مین نے اپنی جانکو خسارہ میں ڈالدیا پس تو میری حفاظت کر پس خدا نے اس کی حفاظت کی کیونکہ خدا بڑا حفاظت کرنے والا مہربان ہے حضرۃ موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا تونے مجھپر فضل کیا میں بھی کبھی گنہگارونکا مددگار نہین ہونگا لیکن شہر مین وہ صبح کو ڈرتا ہوا اٹھا اس انتظار مین کہ کوئی اُسکو پکڑ نہ لے تو پھر وہی آدمی جس نے پہلے دن اس سے مدد مانگی تھی فریاد کرتا ہوا نظر آیا موسیٰ نے اسکو کہا تو بڑا جھگڑالو ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ دوسرا شخص بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تو ارادہ کرتا ہے کہ جیسا کل ایک آدمی کو قتل کیا ویسا ہی آج مجھے قتل کر دے۔ اس قصہ

میں کئی امور قابل غور ہیں اول تو قصہ کو شروع کرنے سے پہلے ایسے الفاظ میں حضرت موسیٰ کی تعریف کی گئی ہے جو اس کے خلاف گناہ کا نتیجہ نکالنے سے سخت مانع ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کو علم و حکمت اسواسطے دیا گیا کہ وہ بڑا راستباز تھا۔ اب قصہ کو بیان کرتے ہوئے پادری اس نکتہ کو کبھی بیان نہیں کرینگے۔ چنانچہ پادری مانٹرو نے ایسا ہی کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ سارے قصہ کی جان ہیں اور اس کے اصل منشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ کی راستبازی خدا تعالےٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس نے بڑے بڑے انعامات حکمت اور علم کے اُسے عطا فرمائے۔ اب خیال کرو کہ ایسے بیان کے بعد یہ قصہ مذکور ہوا کہ ایک دن تو حضرت موسےٰ نے خون ناحق کیا اور رات کو توبہ کر کے پھر دوسری صبح ایک اور خون ناحق کرنے کی کوشش کی اور اس میں بھی کامیاب ہو جاتا اگر شور نہ پڑ جاتا۔ کیا اس سے زیادہ بھی بیہودہ تعلق عبارۃ کا قیاس میں آسکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک شخص شراب کی ممانعت پر لکچر دینے کھڑا ہوا اور سامعین کی تقلید کیلئے ایک ایسے شخص کو بطور نمونہ پیش کرے جسکی ہر جگہ پرہیزگاری اور شراب نہ پینے کی تعریف اور شہرت ہو رہی ہو اور پھر ساتھ اس کے یہ قصہ بھی بیان کرے کہ یہی شخص جسکو وہ نمونہ کے بطور پیش کرتا ہے ایک شام کو بازار میں شراب سے مدہوش پڑا ہوا پایا گیا۔ اور پھر رات کو اسکے سامنے اُس نے توبہ کی اور دوسری شام کو پھر ایک شراب کی دوکان میں جاتا ہوا دیکھا گیا۔ اس مثال کی بیہودگی پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا پادری قرآن شریف کے معنے کرنے میں اس سے بھی بڑھ کر حماقت نہیں دکھلاتے موسےٰ ایک شخص ہے جسکو پہلے مومنین کے سامنے راستبازی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور پھر اُس کی راستبازی کی یہانتک تعریف کی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ اُس سے خوش ہو کر اس کو بڑے بڑے انعام دیتا ہے اور علم و حکمت عطا کرتا ہے۔ اور پھر اگلی آیت میں اُس کی متعلق یہ بیان کیا جاوے کہ وہ بڑا سفاک اور خونریز تھا جو ناحق لوگوں کے خون کیا کرتا تھا۔

پھر ایک اور امر قابل غور یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سے حفاظت مانگنے کے بعد اور جب خدا تعالےٰ سے حفاظت کا وعدہ انکو دیا جاتا ہے تو حضرت موسیٰ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ اے میرے رب تیرے انعاموں کے سبب سے جو تو نے مجھ پر کئے ہیں میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے میں حضرت موسیٰ گناہ کے مرتکب ہوئے کیونکہ یا تو اس فعل میں وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ اگر حق پر تھے تو پھر تو کوئی اعتراض ہی باقی نہیں رہتا لیکن اگر ناحق پر تھے تو پھر وہ مجرم کے مددگار ٹھہرے۔ لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ کبھی بھی مجرموں کے مددگار نہیں ہوئے بفرض محال اگر یہی مان لیا جاوے کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کا

قبطی کے قتل کے بعد کا تھا۔ تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسرائیلی کی مدد کرنے میں حضرت موسیٰ ناحق پر تھے کم سے کم اتنا تو ماننا پڑے گا۔ کہ وعدہ کے بعد حضرت موسے اس قسم کے ارتکاب کی پھر کوشش نہ کرتے اگر وہ اپنے فعل کو گناہ یا مجرم کی مدد سمجھتے۔ لیکن ایک دن بھی اس وعدہ پر نہ گذرنے پایا تھا کہ اسی قسم کا واقعہ حضرت موسیٰ کو پھر پیش آیا کہ آپ نے اُسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور پھر اسرائیلی نے اسیطرح موسےٰ کے پاس فریاد کی اور اسیطرح موسےٰ نے اُسکی مدد کرنی چاہی اور دشمن کو ہلاک کرنا چاہا مگر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ انکو رکنا پڑا۔ اگر حضرۃ موسیٰ پہلی دفعہ اسرائیلی کی مدد کو گناہ خیال کرتے تو ممکن نہ تھا کہ انہیں واقعات کے ماتحت اسی اسرائیلی کی مدد کو پھر تیار ہو جاتے جو ایکدفعہ اُنکے گناہ کا موجب ہو چکا تھا درآنحالیکہ وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی مدد نہیں کرینگے۔ آیۃ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ صاف اس امر پر شاہد ہے کہ دوسرے موقعہ پر حضرت موسیٰ کا فعل ظالمانہ فعل نہ تھا مگر چونکہ حضرت موسےٰ نے دوسرے موقعہ پر بعینہ اسی فعل کا ارادہ کیا تھا جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکے تھے اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ پہلے موقعہ پر بھی وہ کسی بُرے فعل کے مرتکب نہیں ہوئے یعنی کسی ایسے فعل کے کہ جسکو وہ خود بُرا سمجھتے ہوں یا جو خدا کے نزدیک بُرا ہو۔

ایک اور امر جسپر غور کرنے سے حضرۃ موسیٰ کی معصومیت ثابت ہوتی ہے اُنکی وہ دعا ہے جو کہ مدین کو بھاگتے وقت اُنھوں نے اللہ تعالےٰ سے مانگی۔ یہ دعا ان الفاظ میں ہے رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ۔ یہاں موسیٰ اپنے دشمنوں کو ظالم بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر اپنے فعل کو ظلم سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ اسی معاملہ میں وہ اپنے دشمنوں کو بھی ظالم کہتے۔ اگر حضرت موسیٰ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کے مار ڈالنے میں اُنھوں نے کسی ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ تو پھر وہ اُن لوگوں کو جو ایک مجرم شخص کو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے۔ کیوں ظالم کہتے۔ خود انکی یہ تعلیم تھی کہ جان کے بدلے جان۔ تو پھر اُن لوگوں کو جو اسی قانون کے مطابق انھیں پکڑنا چاہتے تھے جسکو وہ عدل اور انصاف کا قانون سمجھتے تھے کیونکر ظالم کہہ سکتے تھے ان کا اپنے مخالفوں کو ظالم بیان کرنا اس لئے کہ وہ قبطی کو مارنے کی وجہ سے اُنکی جان کے درپے ہوگئے تھے صاف ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپکو اس معاملہ میں بیگناہ سمجھتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ اُنھوں نے کوئی خون ناحق نہیں کیا جسکے بدلے انھیں سزا ملنی چاہیے۔ اگر وہ خون ناحق کے مرتکب ہوئے ہوتے تو ایک عدل اور انصاف کی سزا کو وہ ظلم نہیں کہہ سکتے تھے۔ پھر جب موسیٰ مدین میں پہنچتے ہیں اور شیخ کبیر کے سامنے اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ کیونکر اُنھوں نے ایک قبطی کو مارا اور پھر کیونکر وہاں سے بھاگے تو وہ شیخ کبیر بھی قبطیوں کو ہی ظالم ٹھیراتا ہے اور اس معاملہ میں انھیں کیطرف ظلم کو منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے لَا تَخَفۡ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ تو مت ڈر کہ ان لوگوں سے جو تجھپر ظلم کا ارادہ رکھتے تھے تو نجات پا گیا۔ اسی طرح

اس قصہ میں حضرۃ موسےٰ کے دشمنوں کے اس فعل کو کہ وہ قبطی کے بدلے انکو مارنا چاہتے تھے - خدا تعالےٰ نے ظلم اور ناحق قرار دیا ہے اور اس لئے وہ فعل جسپر یہ سزا تجویز کرتے تھے خدا تعالےٰ کے نزدیک ظالمانہ اور ناحق نہیں ہوسکتا - ایسا ہی خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوتے ہوئے موسےٰ کہتے ہیں وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ کہ ان مصریوں کا مجھپر گناہ ہے اور یہ نہیں کہا کہ خدا کا گناہ ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کے معاملہ میں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک قطعاً اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ خدا کو یہ کہتے ہیں کہ میں ان مصریوں کے نزدیک گنہگار ہوں نہ یہ کہ تیرے نزدیک بھی گنہگار ہوں۔

حضرۃ موسےٰ کے یہ الفاظ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کی سزا ہے جو انھوں نے قبطی کے متعلق کہے اسی نتیجہ کے موید ہیں - جب حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ قبطی انکے مکہ سے موت تک پہنچ گیا ہے تو فی الفور بول اُٹھے کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کے سبب سے ہے - جس سے اُنکا یہ مطلب تھا کہ تو نے ناحق ایک اسرائیلی پر ظلم کرنا چاہا اس لئے اپنی سزا کو پہونچگیا - ان الفاظ کو حضرۃ موسیٰ کے متعلق سمجھنا ایسی بیہودگی ہے کہ اُسکی تردید کی حاجت معلوم نہیں ہوتی - جتنے پہلوؤں پر ہم اب تک غور کر چکے ہیں وہ سب اس بیہودہ خیال کی تردید کرتے ہیں اور قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ اس مصری کے شیطانی فعلوں کا ذکر کرتے ہیں - الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ سے بھی یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ حضرت موسیٰ اپنی طرف کسی ظالمانہ فعل کو منسوب کر رہے ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں وہ اپنے دشمنوں کے فعل کو جو اس قتل کا بدلہ حضرۃ موسےٰ سے لینا چاہتے تھے ظالم کہتے اور سمجھتے تھے - اور اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی وہ اپنی طرف اس معاملہ میں ظلم کو منسوب نہ کرسکتے تھے - ان الفاظ سے مراد فقط یہ ہے کہ میں نے اپنی جانکو خطرہ میں ڈالدیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مصری جو انکے پہلے سے دشمن تھے انکے قتل کیلئے کوئی بہانہ چاہتے تھے - اسی خطرہ کے احساس کے سبب سے وہ فی الفور خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے حفاظت طلب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں فَاغْفِرْ لِيْ کیونکہ وہ ایک راستباز آدمی تھے - اور کسی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا مددگار اور محافظ نہ سمجھتے تھے سو خدا تعالےٰ نے انکی دعا کو منظور کیا اور فرمایا کہ تم مصریوں کے ہاتھ سے بچائے جاؤ گے چنانچہ اسی وعدہ الٰہی کے مطابق عین موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو اطلاع دیدی کہ تمہارے پکڑنے کیلئے دشمن تجویزیں کر رہے ہیں سو تم اس شہر سے بھاگ جاؤ اور اس طرح پر جس حفاظت کا حضرت موسیٰ کیساتھ وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا - آیۃ کے ان معنوں کی صحت پر صرف امور متذکرہ بالا ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ دوسرے مقامات پر جہاں قرآن کریم میں اس قصہ کا ذکر آیا ہے وہاں سے بھی انہیں معنوں کی تائید ہوتی ہے - مثلاً سورہ طٰہٰ

ہین اللہ تعالےٰ حضرۃ موسےٰ پر اپنے انعامات کو بیان کرتا ہوا فرماتا ہے کہ کسطرح کئی موقعوں پر ہمنے تیری جان بچائی چنانچہ پہلا واقعہ بچپن کا بیان فرما کر پھر فرماتا ہے وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ یعنی تو نے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی۔ اس مین ذرا شک نہین ہوسکتا کہ اس غم سے مراد وہی غم ہے جو بعد قتل کے حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا جسکے لئے انھون نے یہ دعا مانگی کہ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ۔ اگر خدا تعالےٰ کے نزدیک اس قبطی کا قتل گناہ ہوتا اور اسی کیمطابق سورۃ قصص کے ان الفاظ کے معنے ہوتے جو ہمنے اوپر نقل کئے ہین تو ضرور تھا کہ خداوند تعالےٰ موسیٰ کو یہ بھی فرماتا کہ کسطرح وہ قبطی کے قتل مین گناہ کا مرتکب ہوا اور کیونکر اس کا گناہ معاف کر دیا گیا جبکہ اُس نے توبہ کی برخلاف اس کے خدا تعالیٰ اسی انعام کو بیان کرتا ہے کہ کیونکر جب وہ قبطی کو قتل کر چکا خدا تعالےٰ نے اُس کی جان بچائی اور قرآن مین کہین یہ بھی ذکر ہونا چاہیے تھا کہ کس طرح موسیٰ اپنے اس گناہ کے لئے نادم ہوتا رہا اور فکر کرتا رہا کیونکہ حضرۃ موسےٰ کا قصہ کئی بار قرآن شریف مین بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن شریف مین اسی غم کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا تھا اور اسی انعام کا ذکر ہے جو خدا تعالےٰ نے اس غم کے وقت مین اسکو سہارا دیا اور اُسکی جان بچائی چنانچہ جبنبوت اس کو فرعون کی طرف جانے کا حکم ہوا تو حضرۃ موسیٰ نے یہی عرض کی اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ کہ ان مین سے مین نے ایک آدمی کو مار دیا ہے اور مین ڈرتا ہون کہ وہ مجھے مار نہ ڈالین۔ پس اس مین کوئی شک نہین کہ جس غم کا الفاظ ظلمت نفسی مین اظہار کیا گیا ہے وہ انکو انکی جان کے خطرہ کیمتعلق تھا جس کا ذکر قرآن شریف مین بار بار آیا ہے اور جس حفاظت کا ان کو وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ حفاظت اسکے دشمنون کے منصوبون سے تھی نہ کہ خدا کی سزا سے چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی اسی نتیجہ کا موید ہے کیونکہ اپنے سخت ترین دشمنون کے درمیان ہی حضرۃ موسیٰ کی زندگی معجزانہ طور پر بچائی گئی۔

جہانتک یہ قصہ قرآن شریف مین موجود ہے اس سے حضرۃ موسیٰ کے گنہگار ہونے کا نتیجہ ہرگز نہین نکل سکتا اب ہم دیکھتے ہین کہ حضرت موسیٰ کا فعل قبطی کے مارنے کا کس قسم کا تھا۔ اور کیا وجہ تھی کہ وہ قتل مین اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان لوگون کو جو قصاص مین اُن کی جان لینا چاہتے تھے ناحق پر خیال کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے جس کی شہادت تاریخ سے ملتی ہے کہ اسرائیلی مصریون کے ماتحت ایک سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے انکے ساتھ صرف معمولی غلامون کا ہی سلوک نہ ہوتا تھا بلکہ بہت سختی اور ظلم انپر کئے جاتے تھے اور ذلیل سے ذلیل کام ان سے لئے جاتے تھے قرآن شریف اور توریت دونو گواہ ہین۔ آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے

کہ اس ذلت کیحالت مین انکے ظالم آقا کس کس قسم کی بے رحمیاں ان پر کرتے ہوں گے اور کسطرح بیدردی سے انکو مار ڈالتے ہونگے۔ تمدن اسکے پرانے قوانین کی رو سے غلام کے قتل کیوقت مناسب چارہ جوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جب اس کے ساتھ ہم اس سختی کو بھی مد نظر رکھین جو مصری اسرائیلوں پر کرتے تھے اور اس ذلیل حالت پر غور کرین کہ جسطرح اسیر اسرائیلی رکھے جاتے تھے تو آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ کسطرح یہ قبطی اسرائیلیونکو قانون کی گرفت سے بیخوف مار ڈالتے ہوں گے۔ جبکہ حکام بھی ان بیچارے عبرانیون کی جانون کی چندان پروا نہ کرتے تھے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اگر ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہوں تو بیچارے اسرائیلی غلام کی جان کسقدر خوف کیحالت مین ہوگی۔ کیونکہ اسرائیلی تو اپنے آقا کے خلاف ہاتھ بھی نہیں اُٹھا سکتا اور قبطی کو نہ اس کی جان کی پرواہ ہے اور نہ قانون کا خوف ہے۔ اب اگر حضرۃ موسیٰ اسرائیلی کی مدد کے لئے وقت پر نہ پہونچگئے ہوتے تو وہ یقیناً جانبر نہ ہوسکتا جب اس نے ظالم دشمن کے پنجہ مین اپنے آپ کو بے بس پایا تو ناگہاں حضرت موسیٰ پر اس کی نظر جاپڑی اور ان ہی اُس نے مدد طلب کی۔ لفظ استغاثہ جو یہان استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مظلوم اسرائیلی تھا۔ اور اگر حضرت موسیٰ اس کی جان نہ بچاتے تو وہ خود بخود قبطی کے پنجہ سے نجات نہ پاسکتا یہ حالت دیکھکر حضرت موسیٰ نے اُس ظالم کے مُکا مارا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منشا اسکو قتل کرنے کا نہین تھا بلکہ صرف مظلوم کو چھوڑانے کا تھا۔ مگر مر جانا یہ ایک اتفاقی امر تھا ورنہ ضرب اس قسم کی نہ تھی جس سے معمولی طور پر نتیجہ موت کا پیدا ہو سکے لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت موسیٰ کا ارادہ ہی اس کو قتل کرنے کا تھا تب بھی حضرت موسیٰ حق پر ہی ہے کیونکہ اگر وہ مظلوم کی مدد نہ کرتے تو معاً اس کی جان کا خاتمہ ہو جاتا اس لئے حضرت موسیٰ نے جو کچھ فعل کیا وہ ایک جان بچانے کے لئے تھا اور اس لئے اس کو گناہ یا جرم کسیصورت مین کہا نہیں جاسکتا۔ حضرۃ موسیٰ کا قتل کے واقعہ کے بعد ہی معاً یہ کہنا کہ مین مجرموں کا مددگار ہرگز نہین ہوں گا اسی امر پر دال ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین انھوں نے ظالم کی مدد نہین کی بلکہ مظلوم کی کی ہے یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب انہون نے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی کے پنجہ مین گرفتار پایا اور مدد کے لئے چلاتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ اسی طرح مدد کے لئے طیار ہوگئے۔ یہ کہ اُس کو حضرت موسیٰ نے غوی کہا اس سے مراد اُن کی یہ نہ تھی کہ وہ ظالم ہے کیونکہ غوی کو اگر ان معنون مین استعمال کرتے تو کبھی اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھتے غوی سے مراد اُن کی یہ تھی کہ تو جھگڑالو ہے۔ اور اس کو یہ اطلاع دینا مقصود تھا کہ اسکو ایسے آدمیوں کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہیئے جو بڑی بے دردی سے اس کی جان کا خاتمہ کر دینے کو طیار رہتے ہیں صاف

معلوم ہوتا ہے کہ حضرۃ موسیٰ ایک غلام کی جان بچانے لگے تھے کہ اتفاقاً ظالم اپنی سزا کو پہونچ گیا۔ اور حضرت موسیٰ کا یہ فعل صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ایک بیگناہ آدمی کی جان بچانے کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔

حضرت ہارون پر شرک کا الزام

پادری مارڈ حضرت ہارون پر شرک کا الزام لگاتا ہے اور سند کے لئے سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۰ کا حوالہ دیتا ہے۔ اس آیت کو معہ ترجمہ ہم نیچے لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کسقدر دیانت داری سے پادری صاحبان کام لیتے ہیں۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ترجمہ اور جب پھر آیا موسےٰ اپنی قوم کیطرف غضب اور رنج سے بھرا ہوا۔ کہا بُرا ہے جو کچھ تم نے میرے بعد کیا۔ کیا تم نے اپنے رب کے حکم میں شتابی کی۔ اور تختیاں ڈالدیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اسکو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے۔ قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے پس میرے ساتھ دشمنوں کو خوش مت کر اور ان ظالم لوگوں کے ساتھ مجھکو نہ ملا"۔ ہم تعجب کرتے ہیں کہ اس ساری آیت میں کونسا لفظ ہے جو پادری مارڈ کے الزام شرک کی تائید کرتا ہے۔ حضرۃ موسیٰ کا غضب اور رنج جیسا کہ آیت میں صاف بتایا گیا ہے قوم کے خلاف تھا کیونکہ اُنھوں نے اُن کی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی اختیار کی اور ان الفاظ کی مخاطب بھی وہی قوم ہے کہ "بُرا ہے جو کچھ تم نے میرے پیچھے کیا" پھر اسی قوم کی نسبت ہی حضرت ہارون کہتے ہیں کہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون خود اس قوم میں شامل نہ تھے بلکہ اُن کے گوسالہ پرستی کی مخالفت کرنے کی ہی وجہ سے اُن کی جان خود خطرہ میں پڑی ہوئی تھی۔ یہ آیت صاف شاہد ہے کہ حضرت ہارون اُن لوگوں میں سے نہ تھے جنھوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی بلکہ برعکس اس کے انھوں نے گوسالہ پرستی کی مخالفت یہانتک کی کہ لوگ ان کے دشمن اور مارنیکے درپے ہو گئے حضرۃ ہارون کا توحید پر قائم رہنا اور توحید کا وعظ بنی اسرائیل کو سنانا سورۂ طٰہٰ میں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ

رَبُّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ۔" اور ہارون نے اس سے پہلے انکو کہا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ سے آزمائے گئے ہو۔ اور تمہارا رب بڑا رحم کرنے والا ہی ہیں تم میرے پیچھے چلو اور میرے امر کی پیروی کرو"۔ کیا ان صاف الفاظ کے باوجود ایک نبی پر شرک کا الزام لگانا ایمانداری ہے۔ پھر حضرۃ ہارون سورۂ اعراف کی اس آیت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے صاف حضرۃ موسیٰ کو کہتے ہیں کہ مجھے ان ظالموں کے ساتھ مت ملا اور اس طرح پر اپنے اس فعل میں شامل ہونیکا صریح انکار کرتے ہیں کوئی لفظ اس آیت میں ایسا نہیں جس سے ہارون کا گوسالہ پرستی میں شامل ہونا ثابت ہو۔ بلکہ صاف صاف الفاظ اس جرم میں انکی شمولیت کی تردید کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ گوسالہ پرستی کے برخلاف وعظ کرتے رہے۔ اس سے پہلے حضرۃ آدم کے متعلق لکھتے ہوئے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ شرک جیسے سخت گناہ کو انبیاء کیطرف منسوب کرنا قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کو رد کرنا ہے اسلیئے اس مضمون پر دوبارہ بحث کرنیکی ضرورت نہیں حضرۃ ہارون کی شرکت کا نتیجہ حضرۃ موسیٰ کی اس دعا سے نکالنا کہ اُنھوں نے کہا تھا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ سخت بیہودگی ہے۔ استغفار کے معنوں پر پہلے بحث ہو چکی ہے اور استغفار کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جس کیلئے استغفار کیا گیا ہے وہ کوئی گناہ بھی کر چکا ہے۔ بلکہ استغفار کے معنے خدا کی حفاظت اور مدد کو طلب کرنیکے ہیں علاوہ اس کے حضرۃ موسیٰ کا اس دعا میں اپنے آپ کو اپنے بھائی کے ساتھ شامل کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا مجھے اور میرے بھائی کو مغفرۃ عطا کر اس بات پر شاہد ہے کہ وہ گناہوں کی معافی کی دعا نہ کر رہے تھے کیونکہ اتنا تو ہر ایک کو ماننا پڑے گا کہ حضرۃ موسیٰ کسی طرح سے اس گوسالہ پرستی میں شامل نہ تھے بلکہ اسکا حال سنکر انکو سخت رنج پہونچا تھا۔ انکا استغفار جیسا اپنے لئے ہی ویسا ہی اپنے بھائی کیلئے ہے اور اس سے غرض صرف حفاظت الٰہی کا طلب کرنا ہی۔ کیا یہ ایک اور حیرت انگیز امر نہیں کہ اگر استغفار کے معنے گناہوں کی معافی کی درخواست کے سوا کچھ نہیں تو استغفار کی ضرورۃ حضرۃ موسیٰ اور ہارون کیلئے تو ہو جو گوسالہ پرستی میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اس ساری قوم کیلئے اس کی ضرورت نہ ہو۔ جو گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئی تھی۔

حضرۃ ابراہیم پر جھوٹ کا الزام

پادری مانرو کہتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ جھوٹ بولنے کے گناہ کے مرتکب ہوئے مگر یہ پادری صاحب جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ حضرۃ ابراہیم نے جھوٹ بولا۔ اس بیان کی تائید میں

وہ قرآن شریف کو پیش نہیں کرتا بلکہ حدیث کیطرف رجوع کرتا ہے۔ ہم خیال نہیں کرتے کہ اس کو یہ علم نہ ہو کہ مسلمان حدیث کیمتعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی حدیث اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہیں ہو سکتی جو قرآن شریف کے خلاف ہو۔ اب قرآن شریف تو حضرۃ ابراہیم کو صِدِّيقًا نَّبِيًّا کا خطاب دیتا ہے یعنی نہایت ہی صادق نبی۔ اسکے مقابلہ میں کسی حدیث کو کسطرح معتبر مان سکتے ہیں جس میں ایسے صادق کیطرف کذب منسوب کیا گیا ہو۔ کیونکہ حدیثوں میں بہت سا موضوعات کا بھی مجموعہ ہے اور اس لئے کوئی حدیث قابل سند نہیں جو قرآن کریم کے مخالف ہو۔ یہ کتنی صاف بات ہے کہ قرآن کریم جو خدا کا پاک کلام ہے جھوٹا نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کو صحیح مانکر اُسکے راوی کو سچا اور حضرت ابراہیم کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے حالانکہ حدیث کو جھوٹا مانکر صرف راوی کو جھوٹا ماننا پڑے گا۔ اب کون مسلمان ہے جو قرآن کریم کے الفاظ صِدِّيقًا نَّبِيًّا کے باوجود بھی حضرۃ ابراہیم کو اسلئے جھوٹا مانیگا تا کہ حدیث کا ایک راوی سچا ثابت ہو۔ حضرۃ ابراہیم کے استغفار سے یہ معنی نکالنا جیسا کہ بہت دفعہ ثابت کیا جا چکا ہے محض بے وقوفی ہے۔ علاوہ اسکے عیسائیوں کو کوئی عذر تلاش کرنا پڑیگا جس سے حضرۃ عیسیٰ مومنین کی جماعت میں سے خارج ہو جائیں کیونکہ حضرۃ ابراہیم نے اپنے لئے ہی استغفار طلب نہیں کیا بلکہ کل مومنین کی جماعت کے لئے جو دنیا میں ہوئے یا ہونیوالی تھی۔

اگرچہ ایسی ضرورت تو نہیں مگر ہم یہاں ان امور پر بھی غور کرتے ہیں جنکی نسبت حضرۃ ابراہیم کیطرف کذب منسوب کیا جاتا ہے۔ سب سے اول کہا جاتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم نے یہ کہنے میں کہ إِنِّي سَقِيمٌ جھوٹ بولا۔ ہم حیران ہیں کہ اس میں کیا جھوٹ ہے کس معتبر ڈاکٹر نے حضرۃ ابراہیم کی اسوقت کیحالت کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم اپنے آپکو بیمار کہنے میں سچے نہیں ہیں اگر کوئی آدمی کہے کہ میں بیمار ہوں تو کون شخص اس میں شک کر سکتا ہے پھر حضرۃ ابراہیم پر کیوں ان الفاظ کی بنا پر ایک جھوٹی تہمت لگائی جاتی ہے دوسرا موقعہ جسکے متعلق حضرت ابراہیم پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے حضرت ابراہیم کا یہ قول ہے بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا اصل بات یہ تھی کہ بت پرستوں نے حضرت ابراہیم کو پوچھا کہ تو نے ہمارے بت توڑے ہیں جس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔ ان الفاظ کے مختلف معنی مفسرین نے کئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک حضرۃ ابراہیم کو جھوٹ کی تہمت سے بری ٹھیراتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فَعَلَهُ کے بعد وقف ہے اس لئے اس فعل کا فاعل اسی میں مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یہ کرینگے کہ کیا جسنے کیا اور كَبِيرُهُمْ هَذَا الگ جملہ ہوگا کہ یہ ان میں کا بڑا موجود ہے۔ چونکہ فعل اور فاعل کے درمیان اسطرح وقفہ نہیں آیا کرتا

اس لئے یہ معنے نہایت صحیح اور اقرب الی الفہم ہیں - اگر کَبِیْرُهُمْ کو فعلہٗ کا فاعل بھی مان لیا جاوے - تب بھی حرج لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا منشا کسی امر کو چھپانیکا نہ تہا بلکہ صرف بت پرستوں کو اُنکی بیوقوفی کیطرف توجہ دلانے کا تھا - کہ ایک طرف تو وہ اس بات کو مانتے تہی کہ انکے بتوں میں وہ طاقتیں ہین جن سے زمین و آسمان کے کاروبار چل رہے ہین اور دوسری طرف سب سے بڑے بت مین اس قدر طاقت بھی تسلیم نہ کرسکتے تہے کہ وہ چہوٹونکو توڑ سکے اگر اس کو جہوٹ کہا جاوے تو اس کی غرض صرف اپنے قصور کا اخفا ہوسکتی تھی - لیکن حضرت ابراہیم نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپانا نہین چاہا بلکہ وہ عام مجلس مین تمام مشرکین کو مخاطب کرکے علانیہ کہہ چکے تھے تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ کہ خدا کی قسم مین ان تمہارے بتون سے جنگ کرون گا جس سے صاف اُن کا منشا یہ تھا کہ مین اُنکو توڑ ڈالونگا - اُنکے اسی علانیہ اظہار کیوجہ سے بت پرستونکو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ اِن کا توڑنے والا سوائے ابراہیم کے اور کوئی نہین پھر اخفا کے کیا معنی ہوسکتے ہین تیسرا موقعہ جس کی نسبت اس صادق پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن شریف میں نہین یہہ حضرت ابراہیم کے اس بیان کے متعلق ہی کہ سائرہ میری بہن ہی جس کا ذکر کتاب پیدایش مین ہی - مگر اسی کتاب کے باب ۲۰ آیت ۱۲ میں صاف لکہا ہے کہ "وہ یعنی سائرہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میری ماں کی لڑکی تو نہین مگر باپ کی لڑکی ہی" پھر اسکو بہن کہنے مین جھوٹ ہی کیا ہوسکتا ہی -

اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم تو کبھی جھوٹ کے مرتکب نہین ہوے اور قرآن کریم ایسے عقیدہ کو رد کرتا ہے لیکن جب ہم انجیلوں کو پڑھتے ہین تو انہین کئی موقعہ پر یسوع کے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اب مشکل یہ ہی کہ اگر اناجیل کو سچی تسلیم کیا جاوے تو یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے لیکن اگر یسوع کو سچا مانا جائے تو انجیلونکو جھوٹا ماننا پڑتا ہے - شاید پادری مانزو صاحب اس مشکل کو دور کرسکیں اور امید ہی کہ وہ ضرور اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے - مثلاً متی $\frac{23}{43}$ میں یسوع چور کو کہتا ہی کہ "آج تو میرے ساتھ بہشت مین ہوگا" لیکن اسے علم تھا کہ وہ خود دوزخ کو جائیگا اور چور کو اپنے ساتھ بہشت مین لیجانا محض جھوٹ تھا یوحنا $\frac{20}{17}$ مین قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کہتا ہی کہ مین ابھی اپنے باپ پاس نہین چڑھا ہوں اور عیسائی اعتقاد کے مطابق وہ چالیس روز تک دوزخ مین رہا یا زمین پر رہا بہشت مین نہین گیا - ایک اور مثال جسمیں یا یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہی یا انجیلونکو متی $\frac{16}{28}$ مین درج ہی جہاں لکہا ہی کہ ان مین سے جو یہاں کھڑے ہین بعض موت کا مزہ نہ چکھیں گے یہانتک کہ وہ ابن آدم کو اپنی سلطنت مین آتے نہ دیکھلین" - اب تمام دنیا مانتی ہی کہ یہ جھوٹ ہی اور پادریونکا اختیار ہی کہ جسکی طرف چاہین اس

جھوٹ کو منسوب کریں اس میں جلدی جواب دینے کی ضرورۃ نہیں کیونکہ سخت زد یسوع پر دافع ہوتی ہی یا انجیلوں پر۔ اس لئے پادری صاحبان غور کے بعد جواب دیں۔ پھر ایک موقعہ پر یسوع نے اپنے حواریوں کو یہ کہا کہ وہ بارہ کے بارہ ہی بارہ تختوں پر بیٹھیں گے اور انھیں بارہ میں یہودا اسکریوطی بھی شامل تھا۔ اب انجیلوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو یہ علم بھی تھا کہ یہودا اسکریوطا کرلعنتی اور شیطان کا فرزند ہو جائیگا اس لئے ایسے آدمی کو تخت کا وعدہ دینا جھوٹ تھا جو یسوع نے بولا۔ اور بھی کئی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن پہلے ان کے متعلق پادری صاحبان کا جواب سنکر پھر ہم اور پیش کرینگے ہم امید کرتے ہیں کہ پادری صاحبان ان کے جواب میں تساہل سے کام نہ لینگے۔ (باقی آئندہ)

کیا سب مذاہب خدا تعالے کیطرف سے ہو سکتے ہیں

مندرجہ ذیل چٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک پرانے ہندو دوست کے خط کے جواب میں لکھی جس نے اپنے خط میں اپنا یہ مذہب ظاہر کیا تھا کہ سب مذہب خدا کیطرف سے ہی ہیں اس لئے ہر ایک مذہب پر چلکر انسان خدا کو پا سکتا ہے۔ چٹھی یہ ہے۔

آپنے اپنے خط میں کچھ مذہبی رنگ میں بھی نصائح تحریر فرمائے تھے مجھکو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ آپکو اس عظیم الشان پہلو سے بھی دلچسپی ہے درحقیقت چونکہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سب اصلی گھر کی طرف واپس کئے جائینگے اس لئے ہر ایک کا یہی فرض ہونا چاہیے کہ دین اور مذہب اور عقائد کے معاملہ میں پورے غور سے سوچے پھر جس طریق کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق پاوے اسکے اختیار کرنے میں کسی ذلت اور بدنامی سے نہ ڈرے اور نہ اہل و عیال اور خویشوں اور فرزندوں کی پرواہ رکھے۔ ہمیشہ صادقوں نے ایسا ہی کیا ہے اور سچائی کے اختیار کرنے میں انھوں نے بڑے بڑے دکھ اٹھائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خواہ عقائد ہوں یا اعمال دو حال سے خالی نہیں یا سچے ہوتے ہیں یا جھوٹے۔ پھر جھوٹے کو اختیار کرنا دھرم نہیں ہے۔ مثلاً وید کیطرف یہ ہدایت منسوب کیجاتی ہے کہ اگر کسی عورت کے چند سال تک بیٹا نہ ہو یا بیٹیاں ہی ہوں تو اسکا خاوند اپنی اس عورت کو دوسرے سے ہمبستر کرا سکتا ہے اور ایسا سلسلہ اسوقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک ایک بیگانہ مرد کے نطفہ سے گیارہ فرزند نرینہ پیدا ہو جائیں۔ اور شاکت مت میں جو وید کیطرف ہی اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں یہ ہدایت ہے کہ ان کے خاص مذہبی میلوں میں ماں اور بہن سے بھی جماع درست ہے اور ایک شخص دوسرے شخص کی عورت سے

زنا کر سکتا ہے اسی طرح دنیا میں ہزارہا ایسے مذہب ہیں کہ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو آپ انگشت بدندان رہیں گے
پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان صلحکاری اختیار کر کے ان لوگوں کی ہاں سے ہاں ملاوے۔ ایسا ہی عقاید کا حال ہے بعض لوگ
دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں بعض لوگ آگ کی بعض سورج کی بعض چاند کی بعض درختوں کی بعض سانپوں اور
بلیوں کی اور بعض انسانوں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں تو کیا ممکن ہے کہ ان سب کو راستباز سمجھا جاوے۔

جو لوگ دنیا کی اصلاح کے لئے آتے ہیں اُن کا فرض ہوتا ہے کہ سچائی کو زمین پر پھیلاویں اور جھوٹ کی بیخکنی
کریں۔ وہ سچائی کے دوست اور جھوٹ کے دشمن ہوتے ہیں مثلاً اگر کسی راستباز کو چند ڈاکو یا اُچکے یا چور یہ ترغیب
دیں کہ بذریعہ ڈاکہ یا کیسہ بُری یا نقب زنی کے کوئی مال حاصل کرنا چاہئیے تو کیا جائز ہوگا کہ وہ راستباز انکے ہمنا
ہوکر ایسے جرائم کا ارتکاب کرے۔ پس مذہب کس چیز کا نام ہے اسی بات کا نام تو مذہب ہے کہ جو عقاید یا اعمال مبرے
اور گندے اور ناپاک ہوں اُنسے پرہیز کیا جاوے اور ایسی کتابیں جو ناپاک عقاید یا اعمال سکھلاتی ہیں انکو اپنا
پیشوا اور رہبر نہ بنایا جاوے۔ میں اس بات کو کسطرح سمجھ نہیں سکتا کہ ہر ایک مذہب سے صلح رکھی جاوے اور انکی ہاں میں
ہاں ملائی جائے کیونکہ اگر ایسا کیا جاوے تو دنیا میں کوئی بدی بدی نہیں رہیگی اور ہر ایک قسم کے بد عقائد اور بد عمالیاں
نیکیوں میں داخل ہو جائینگی حالانکہ جو شخص ایک نظر دنیا کے مذاہب پر ڈالے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ خداشناسی کی
بابت میں ہی کئی عقائد ہیں بعض ناستک مت یعنی دہریہ ہیں وہ خدا کے قائل نہیں ہیں اور بعض انسانوں یا حیوانوں
یا اجرام سماوی یا عناصر کو خدا بناتے ہیں خاص آریہ سماجی جو اپنے تئیں ویدوں کے وارث ٹھیراتے ہیں وہ کہتے
ہیں کہ خدا نے ایک ذرّہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اور نہ ارواح پیدا کئے بلکہ یہ تمام چیزیں اور انکی تمام قوتیں خود بخود
ہیں پرمیشر کا انمیں کچھ بھی دخل نہیں۔ مگر مجھے اس جگہ ان باتوں کے بیان کرنے سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ
ایک راستباز کے لئے ممکن نہیں کہ ان تمام متناقض امور کو مان لے اور ان پر ایمان لے آوے جن لوگوں نے خدا تعالی
کی عظمت اور توحید اور قدرۃ کاملہ پر داغ لگایا ہے یا بدکاری کو جائز رکھا ہے میں اس جگہ نہ انکی نسبت اور نہ اُن کی
کتاب کی نسبت کچھ نہیں کہتا صرف آپکو یاد دلاتا ہوں کہ انسان کیلئے ممکن نہیں کہ ناپاک کو بھی ایسا ہی تسلیم کرے
جیسا کہ پاک کو کرتا ہے یہ سچ ہے کہ پاک ہونے سے خدا ملتا ہے لیکن ایسے طریقوں سے جو ناپاک عقاید اور ناپاک اعمال پر
مشتمل ہیں کیونکر خدا مل سکتا ہے یہ سچ ہے کہ خدا تعالی سے محبت کرنا بہشتی زندگی تک پہنچاتا ہے۔ لیکن جو شخص راجہ
رامچندر یا راجہ کرشن یا حضرۃ عیسیٰ کو خدا سمجھتا ہے یا خدائے قیوم کو ایسا عاجز اور ناقص خیال کرتا ہے کہ ایک ذرّہ یا
ایک روح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں وہ کیونکر اس پاک ذوالجلال کی حقیقی محبت سے حصہ لے سکتا ہے۔ حقیقی

اور سچے خدا کو اس کی پاک اور کامل صفات کیساتھ جاننا اور اُسکی پاک راہوں کے مطابق چلنا ہی حقیقی نجات ہی اور اس حقیقی نجاۃ کے مخالف جو طریق ہین وہ سب گمراہی کے طریق ہین پھر کیونکر ان طریقوں مین پھنسے رہنے سے انسان حقیقی نجات پا سکتا ہی۔

دنیا مین اکثر یہ واقعہ مشہود ہی کہ ہر ایک شخص ان خیالات پر بہت بھروسہ رکھتا ہی جن خیالات مین اُس نے پرورش پائی ہی۔ یا جنکے سُننے کا اسکو بہت موقعہ ملا ہے چنانچہ ایک عیسائی بے تکلف کہدیتا ہی کہ عیسیٰ ہی خدا ہی اور ایک ہندو اسبات کے بیان کرنے سے کچھ شرم نہین کرتا کہ رام چندر اور کرشن درحقیقت خدا ہین یا دریائے گنگ اپنے پرستارونکو مرادین دیتا ہے یا اُنکا ایک ایسا خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہین کیا صرف موجودہ اجسام اور ارواح کو جو کسی اتفاق سے خود بخود اور قدیم سے چلی آتے ہین جوڑنا اس کا کام ہے لیکن یہ تمام بھروسے بے اصل ہین۔ انکے ساتھ کوئی دلیل نہین زندہ خدا کو تلاش کرنا نجات کے طالب کا اصول ہونا چاہیے۔ دنیا رسوم اور عادات کی قید مین ہی ہر ایک شخص جو کسی مذہب مین پیدا ہوتا ہے اکثر بہر حال اسی کی حمایت کرتا ہی لیکن یہ طریق صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ بات ہی کہ جس مذہب کے ذریعہ سے زندہ خدا کا پتہ مل سکے اور بڑے بڑے نشانوں اور معجزات سے ثابت ہو کہ وہی خدا ہے اس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر درحقیقت خدا موجود ہے۔ اور اسکی ذات کی قسم کہ درحقیقت موجود ہے۔ تو یہ اس کا کام ہی کہ بندوں پر اپنے تئین ظاہر کرے۔ اور انسان جو محض اپنی اٹکلوں سے خیال کرتا ہی کہ اس جہان کا ایک خدا ہے وہ اٹکلین سچی تسلی دینے کے لئے کافی نہین اور جیسا کہ ایک محجوب ان روپیوں پر بھروسہ کرتا ہی جو اُسکے صندوق مین بند ہین اور اس زمین پر جو اسکے قبضہ مین ہی اور ان باغات پر جو ہمیشہ صدہا روپیہ کی آمدنی نکالتی ہین اور ان لائق بیٹوں پر جو بڑے بڑے عہدوں پر سرافراز ہین اور ماہ بماہ اپنے باپ کو ہزارہا روپیہ سے مدد کرتے ہین وہ محجوب ایسا بھروسہ خدا تعالی پر ہرگز نہیں کر سکتا۔ اسکا کیا سبب ہے یہی سبب ہی کہ اُسپر حقیقی ایمان نہین ایسا ہی ایک غافل جیسا کہ طاعون سے ڈرتا ہی اور اس گاؤں مین داخل نہین ہوتا جو طاعون سے ہلاک ہو رہا ہی اور جیسا کہ وہ سانپ سے ڈرتا ہی اور اس سوراخ مین ہاتھ نہین ڈالتا جس مین سانپ ہو یا سانپ ہونیکا گمان ہو اور جیسا کہ وہ شیر سے ڈرتا ہی اس بن مین داخل نہین ہوتا جس مین شیر ہو۔ ایسا وہ خدا سے نہین ڈرتا اور دلیری سے گناہ کرتا ہی اسکا سبب یہی ہی کہ وہ اگرچہ زبان سے کہتا ہی مگر دراصل خدا تعالی سے غافل اور بہت دور ہے۔ خدا تعالے پر ایمان لانا کوئی امر سہل نہین ہی بلکہ جب تک خدا تعالے کے کھُلے کھُلے نشان ظاہر نہ ہوں اسوقت تک انسان سمجھ بھی نہین سکتا کہ خدا بھی ہی گو تمام دنیا اپنی زبان سے کہتی ہی کہ ہم خدا پر ایمان لائے مگر ان کے اعمال گواہی دے رہے

ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے - سچا ایمان تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مثلاً جب انسان بار بار کے تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ سم الفار ایک زہر ہے جو نہایت قلیل مقدار اس کی قاتل ہے تو وہ سم الفار کھانے سے پرہیز کرتا ہے تب اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ وہ سم الفار کے قاتل ہونے پر ایمان لایا - سو جو شخص کسی پہلو سے گناہ میں گرفتار ہے وہ ہنوز خدا پر ایمان ہرگز نہیں لایا اور نہ اُسکو شناخت کیا -

دنیا بہت سی فضولیوں سے بھری ہوئی ہے اور اکثر لوگ ایک جھوٹی منطق پر راضی ہو رہے ہیں - مذہب وہی ہے جو خدا تعالےٰ کو دکھلاتا ہے اور خدا سے ایسا قریب کر دیتا ہے کہ گویا انسان خدا کو دیکھتا ہے اور جب یقین سے بھر جاتا ہے تو خدا تعالےٰ سے اُس کا ایک خاص تعلق ہو جاتا ہے وہ گناہ سے اور ہر ایک ناپاکی سے خلاصی پاتا ہے اور اس کا سہارا صرف خدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ اپنے خاص نشانوں سے اور اپنی خاص تجلی سے اور اپنے خاص کلام سے اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ میں موجود ہوں - تب اس روز سے وہ جانتا ہے کہ خدا ہے اور اسی روز سے وہ پاک کیا جاتا ہے اور اندرونی آلائشیں دور کیجاتی ہیں یہی معرفت ہے جو بہشت کی کنجی ہے مگر یہ بغیر اسلام کے اور کسیکو بھی میسر نہیں آتی - یہی خدا تعالےٰ کا ابتدا سے وعدہ ہے جو وہ اُنھیں پر ظاہر ہوتا ہے جو اسکے پاک کلام کی پیروی کرتے ہیں تجربہ سے زیادہ کوئی گواہ نہیں پس جب کہ تجربہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اپنے تئیں بجز اسلام کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا اور کسیکی اپنے زبردست معجزات سے مدد نہیں کرتا تو ہم کیونکر مان لیں کہ دوسرے مذاہب میں ایسا ہو سکتا ہے -

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھرام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وید خدا کا کلام ہے اور قرآن شریف خدا کا کلام نہیں ہے - میں نے اسکو کہا کہ چونکہ تمھارا دعوےٰ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے مگر میں اسکو اُسکی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور کئی اور ناپاک تعلیمیں ہیں - مگر میں قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ اس میں نہ شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اور ناپاک تعلیم ہے اور اس کی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں پس بہت سہل طریق یہ ہے کہ تم وید والے خدا سے میری نسبت کوئی پیشگوئی کرو اور میں قرآن شریف والے خدا سے وحی پاکر کوئی پیشگوئی کرونگا - پس اس نے میری نسبت یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ کی بیماری سے مر جائیگا اور میرے خدا نے یہ ظاہر کیا کہ چھ برس تک لیکھرام بذریعہ قتل نابود ہو جائے گا کیونکہ وہ خدا کے پاک نبی کی بے ادبی میں حد سے گذر گیا - اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ وہ جسدن مرے گا اس کے ساتھ مسلمانوں کی عید کا دن ہوگا

اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اسکے مرنے کے تھوڑی مدت بعد پنجاب مین طاعون پھیل جائے گی یہ تمام پیشگوئی
مین نے اپنی کتابوں مین بار بار شائع کردی اور یہ بھی شائع کردیا کہ اگر وید درحقیقت خدا تعالے کیطرف سے ہے
تو اب آریہ سماج والونکو چاہیے کہ لیکھرام کی نسبت اپنے پرمیشر سے بہت دعا کرین تا وہ اُسکو بچا لے کیونکہ میرے
پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا پرمیشر اس کو بچا نہین سکیگا اور ایسا ہی لیکھرام نے بھی میری نسبت اپنی کتاب مین
شائع کردیا کہ یہ شخص تین برس مین ہیضہ کی بیماری سے فوت ہو جائیگا - آخر لیکھرام اپنے قتل ہو جانیسے گواہی دیگیا
کہ وید خدا کیطرف سے نہیں ہے -

اسی طرح نہ ایک نشان بلکہ ہزارہا نشان ظاہر ہوئے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہین جنسے روز روشن
کیطرح کھلگیا کہ دین اسلام ہی دنیا مین سچا مذہب ہے اور سب انسانوں کے اختراع ہین اور یا کسیوقت سچے
تھے اور بعد مین وہ کتابین بگڑ گئین - اے عزیز ہم آپ کی باتونکو جو کوئی روشن دلیل ساتھ نہین رکھتین کیونکر مان
لین آپنے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف دعوے ہی جسکے ساتھ کوئی دلیل نہین - دنیا مین ایک ادنے مقدمہ بھی جب کسی عدالت
مین پیش ہوتا ہے تو ثبوت کے سوائے کسی حاکم کے نزدیک قابل سماعت نہین ہوتا اور ایسا مدعی ڈگری حاصل نہین
کرسکتا تو پھر نہ معلوم آپ ان خیالات پر کیونکر بھروسہ رکھتے ہین جو بے ثبوت ہین خدا ایک ہی اور اسکی مرضی ایک ہی
پھر وہ کیونکر متناقض امور کا مصداق ہو سکتا ہے اور کیونکر ہم ان سب باتوں کو سچی مان سکتے ہین کہ عیسی خدا ہی اور رامچندر
خدا ہے اور کرشن خدا ہے اور یا کہ خدا ایسا عاجز ہے کہ ایک ذرہ بھی اس نے پیدا نہین کیا - وہ مذہب قبول کے
لایق ہے جو ثبوت کا روشن چراغ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ اسلام ہے اگر آپ یہ کہین کہ جو زبردست نشان
اور معجزات اسلام مین ظاہر ہوتے ہین وہ کسی دوسرے مذہب مین بھی ہوتے ہین تو ہم آپ کی اس بات کو بشوق
سنین گے بشرطیکہ آپ اس کا ثبوت دین مگر یاد رکھین کہ یہ آپ کے لئے ہرگز ممکن نہین ہوگا کہ اس زمانہ مین کوئی ایسا
زندہ شخص بھی دکھلا سکین کہ وہ برکات اور آسمانی نشان جو مجھے ملے ہین ان مین وہ مقابلہ کرکے دکھلا دے
اب مین آپکے بعض خیالات کی غلطی کو رفع کرتا ہوں -

قول آنعزیز - خدا نے کافر اور مومن کو اس دنیا مین یکساں حصہ بخشا ہی **اقول** چونکہ خدا نے
ہر ایک کو اپنی طرف بلایا ہے اس لیے سب کو ایسی قوتین بخشی ہین کہ اگر وہ ان قوتونکو ٹھیک طور پر استعمال کرین
تو منزل مقصود تک پہنچ جائیں مگر تجربہ سے ثابت ہی کہ بجز اس کے کہ کوئی اسلام پر قدم مارے ہر ایک شخص ان قوتونکو
بے اعتدالی سے استعمال مین لاتا ہے اور منزل مقصود تک نہین پہونچتا -

قول العزیز — بہت مشکل ہے کہ تمام لوگ ایک ہی مذہب پر چلیں - **اقول** سچے طالب کے لئے ہر ایک مشکل سہل کی جاتی ہے -

قول العزیز - اگرچہ ریل پر چلنے والے بہت آرام پاتے ہیں لیکن اگر کوئی پیادہ پا سفر اختیار کرے تو ریل والے اس کو کافر نہیں کہتے - **اقول** - یہ قول دینی معاملہ پر چسپاں نہیں ہے اور قیاس مع الفارق ہے - خدا کے ملنے کی ایک خاص راہ ہے یعنی معجزات اور نشانوں سے یقین حاصل ہونا اسی پر تزکیہ نفس اور سچا ایمان موقوف ہے جسکو خدا پر یقین ہی نہیں وہ کیونکر اُس تک پہنچ سکے اور کیونکر سچا ایمان حاصل ہو پس اس جگہ دنیا کی راہوں کی طرح دوسرا کوئی راہ نہیں ہے صرف ایک ہی راہ ہے کہ خدا پر یقین حاصل ہو اسی پر تزکیہ نفس موقوف ہے اور یقین کے اسباب بجز اسلام کے کسی مذہب میں نہیں -

قول العزیز - خدا بے انت ہے سو ہم بے انت کو اسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب پابندی شرع سے باہر ہو جائیں **اقول** شرع عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں راہ یعنی خدا کے پانے کی راہ پس آپکے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب ہم خدا کے پانے کی راہ چھوڑ دیں تب ہمیں خدا ملے گا - اب آپ خود سوچلیں کہ یہ کیسا معقول ہے -

قول العزیز - ذات پات پوچھے نہ کو + ہر کو بھجے سو ہر کا ہو + **اقول** یہ سچ بات ہے اس سے اسلام بحث نہیں کرتا کہ کس قوم اور کس ذات کا آدمی ہے جو شخص راہ راست طلب کرے گا - خواہ وہ کسی قوم کا ہو خدا اُسے ملے گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خواہ کسی مذہب کا پابند ہو خدا کو مل سکتا ہے کیونکہ جب تک پاک مذہب اختیار نہیں کرے گا تب تک خدا ہرگز نہیں پائے گا - مذہب اور چیز ہے اور قوم اور چیز -

قول العزیز - یہی وجہ ہے کہ پیروان وید نے کسی شخص کی پیروی نجات کیلئے محصور نہیں رکھی - **اقول** جب شخص کے نزدیک وید کے مؤلف کی پیروی نجات کے لئے محصور نہیں وہ وید کا مکذب ہے - آپ خود بتلائیں کہ اگر مثلاً ایک شخص وید کے اصولوں اور تعلیموں کو نہیں مانتا نہ نیوگ کو مانتا ہے نہ اسبات پر راضی ہوتا ہے کہ اولاد کی خواہش کے لئے اپنی زندگی میں اپنی جورو کو دوسرے سے ہمبستر کرادے اور یا وہ اسبات کو نہیں مانتا کہ پرمیشر نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور تمام روحیں اپنے اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں اور یا وہ اگنی وایو سورج وغیرہ کی پرستش کو نہیں مانتا غرض وہ ہر طرح وید کو ردی کیطرح خیال کرتا ہے - یہانتک کہ جس پرمیشر کو وید نے پیش کیا ہے اس کو پرمیشر ہی نہیں جانتا تو کیا ایسے آدمی کیلئے نجات ہے یا نہیں - اگر نجات ہے تو آپ وید ایسی شرتی پیش کریں جو ان مضمون پر مشتمل ہو اور اگر نجات نہیں تو پھر آپ کا یہ قول صحیح نہ ہوا کیونکہ ہم لوگ بھی تو صرف

اس قدر کہتے ہیں کہ جو شخص قران شریف کی تعلیموں کو نہیں مانتا اسکو ہرگز نجات نہیں اور اس جہان میں وہ اندھے کیطرح بسر کرے گا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ یعنی قرآن نے جو دین اسلام پیش کیا ہے جو شخص قرآنی تعلیم کو قبول نہیں کرے گا وہ مقبول خدا ہرگز نہیں ہوگا اور مرنے کے بعد وہ زیانکاروں میں سے ہوگا یہ کہنا کہ کسی شخص کی پیروی وید کی رو سے درست نہیں یہ غلط ہے جب اس کی کتاب کی پیروی کی تو خود اس کی پیروی ہوگئی اگر ہندو صاحبان وید کی پیروی نہیں کرتے تو پھر وید کو پیش کیوں کرتے ہیں۔

قول آنعزیز۔ ہر ملت اور مذہب میں صاحب کمال گذرے ہیں **اقول۔** زمانہ موجودہ میں بطور ثبوت کے کسی صاحب کمال کو پیش کرنا چاہیے کیا آپ کے نزدیک پنڈت لیکھرام صاحب کمال تھا یا نہیں جسکو آج تک آریہ سماجی لوگ روتے ہیں۔

میں نے آنمحب کی دلجوئی کیلئے باوجود کم فرصتی کے یہ چند سطریں لکھی ہیں امید ہے کہ اس پر غور فرمائینگے ۔

خاکسار غلام احمد از قادیان

۱۴ جون سنہ ۱۹۰۳ء

انجام مفتریات کی نسبت پیشگوئی از حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۹ جون سنہ ۱۹۰۳۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۔ فِيْهِ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ

تفصیل کے لئے دیکھو ٹائیٹل پیج کے اندر کا صفحہ

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی

از حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

رات کے وقت جو ۲۸ جون ۱۹۰۳ء کے دن کے بعد رات تھی یعنی وہ رات جس کے بعد پیر کا دن تھا اور ۲۹ جون ۱۹۰۳ء میرے خیال پر کشش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم الدین کیطرف سے میرے پر ہیں۔ یا بعض میری جماعت کے لوگوں کی طرف سے کرم الدین پر ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوگا سو اس غلبہ کشش کے وقت میری حالت وحی الٰہی کیطرف منتقل کی گئی اور خدا تعالیٰ کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ

اس کے معنی یہ مجھے سمجھائے گئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اس کے ساتھ ہوگا اور اسکو فتح اور نصرت نصیب کرے گا کہ جو پرہیزگار ہیں یعنی جھوٹ نہیں بولتے ظلم نہیں کرتے تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راست بازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں اور خدا سے ڈر کر اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بنی نوع کے وہ سچے خیرخواہ ہیں ان میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سو انجام یہ ہے کہ اُن کے حق میں فیصلہ ہوگا تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو اُن دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے ان کے لئے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

۲۹۔ جون ۱۹۰۳ء